تعمیرِ حیات

★

شعبۂ
تعمیر و ترقی
دار العلوم ندوۃ العلماء
لکھنؤ

★

ظالم کی مدد کیا ہے؟

حضرت انس رضؓ سے روایت ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے مسلمان بھائی کی مدد کرو، وہ ظالم ہو یا مظلوم، ایک آدمی نے کہا یا رسول اللہؐ مظلوم ہو تو اسکی مدد کروں اور ظالم کی مدد کس طرح کروں آپ نے فرمایا اس کو ظلم سے روکو اور منع کرو، یہ اس کی مدد ہے۔ (بخاری)

★

۱۷ جمادی الثانی ۱۳۹۱ھ
مطابق ۱۰ اگست ۱۹۷۱ع

چندہ سالانہ آٹھ روپیہ ()()() قیمت فی پرچہ ۳۵ پیسے

FORTNIGHTLY
TAMEER - E - HAYAT
Darululoom Nadwatululama, Lucknow. (India)

معلم الانشاء

الأدب العربي
بين عرض ونقد

جزیرۃ العرب

تذکرہ
حضرت مولانا فضل رحمٰن

ملنے کا پتہ
مکتبہ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

Cover Printed at Nadwa Press Lucknow

۱۷ جمادی الثانی ۱۳۹۱ھ
مطابق
۱۰ اگست ۱۹۷۱ء

پندرہ روزہ
تعمیر حیات
لکھنؤ

شعبۂ تعمیر و ترقی دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

جلد (۸) شمارہ (۱۵)

چندہ سالانہ
سالانہ ۸ روپے
ششماہی ۴ روپے
فی کاپی ۳۵ پیسے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مولانا ابو الفضل عبد الحفیظ بلیاوی مرحوم

محمد الحسنی

دار العلوم کے فاضل استاذ لغت اور علوم اسلامیہ کے ممتاز عالم اور پرانے وضع کے صاحب علم بلکہ طالب علم مولانا ابو الفضل عبد الحفیظ بلیاوی کے حادثۂ وفات کا اثر نہ صرف دار العلوم ندوۃ العلماء، بلکہ علم و ادب اور علوم اسلامیہ کے تمام حلقوں میں عرصے تک محسوس کیا جائے گا۔

مولانا ۴۴ برس سے دار العلوم سے وابستہ تھے اور شانی العلم تھے لیکن ان کی جو خصوصیت ان کو بہت سے نامور علماء سے ممتاز کرتی ہے وہ فارسی شاعر کے بقول "جام سنداں باختن" اور حسرت موہانی کی زبان میں

ہے مشق سخن جاری چکی کی مشقت بھی

کی وہ حقیقت ہے جو اب بہت نایاب ہوتی جا رہی ہے۔

علم میں اس درجہ محویت و استغراق اور اشتغال کلی کے ساتھ (جس کو جاننے والے جانتے ہیں) اکثر اوقات مختلف لذیذ کھانے تیار کرنا اور پورا کام اپنے ہاتھ سے کرنا، طلبہ سے بے تکلفانہ تعلق جس نے ایک متحرک اور ہمہ وقت مدرسہ کی شکل اختیار کر لی تھی اور افادہ اور استفادہ کی راہیں آسان کر دی تھیں۔ کوئی آسان کام نہیں لیکن انھوں نے ان دونوں باتوں کو دم آخر تک اس خوبی کے ساتھ نباہا کہ شاید بہت سے ظاہر بیں ان کو صرف کھانا پکانے کا ماہر سمجھتے ہوں اور بہت سے صرف مصباح اللغات کے مصنف اور ماہر لغت کی حیثیت سے جانتے ہوں۔

لیکن ان دونوں باتوں کو ملا لینے کے بعد بھی ان کی صحیح اور مکمل تصویر تیار نہیں ہوتی اس لئے کہ علاوہ لغت کے جو ان کا اصل موضوع اور فن تھا ان کو دوسرے علوم و فنون میں بھی پورا درک حاصل تھا اور وہ اس کی انتہائی کتابیں اسی طرح پڑھاتے تھے جس طرح ادب و لغت کی۔

ان علمی و عملی کمالات کے ساتھ ایک بہت بڑا وصف اور ہے جو ان کی شخصیت کو اور زیادہ دلکش اور دلآویز بنا دیتا ہے اور وہ یہ ہے کہ پہلے وہ طالب علم تھے پھر استاد، طالب علمی کی شان، طالب علمی کی محنت و جستجو طالب علم کی مسرت اور طالب علمی کا ذوق و شوق، اور [illegible] انکساری و تواضع جیسے اوصاف جو نو عمر و ہونہار طالب علموں میں ہونا چاہئیں وہ اس بڑھاپے میں مولانا کے اندر پوری طرح موجود تھے۔

یہ ایک چلتا پھرتا درس تھا جو ہر طالب علم کے دل میں یہ حوصلہ پیدا کرتا کہ اس کو اسی نمونے کی تقلید کرنی چاہئے۔

مولانا کی زندگی اس بات کا پیغام تھی کہ سادگی و جفاکشی کے ساتھ طالب علم کا ذوق و شوق ایسی نعمت ہے جو کسی اور کو میسر نہیں۔

نہیں ملتی یہ دولت بادشاہوں کے خزینوں میں

ان کے مرتبۂ علمی کا یہ حال تھا کہ متعدد موضوعات پر انھوں نے وہ کام کیا جن پر اس وسعت کے ساتھ پہلے کام نہیں کیا گیا تھا فروق اور صفات لغت میں بڑی وسعت و برکت رکھتے ہیں اور تنہا اس موضوع پر مولانا کا جو کام ہے وہ بجائے خود بڑی اہمیت و افادیت کا حامل ہے اور علماء و طلبہ کے لئے ایک بیش بہا تحفہ۔

لیکن ان نقوش قلم کے ساتھ ان کے نقوش قدم کچھ کم نمایاں نہیں، یہ وہ نقوش ہیں جو علم کے دروازہ تک، بلکہ علم کے محراب و منبر تک پہونچا دیتے ہیں۔ جو علم کی پیاس، علم کی طلب اور علم کی قدر، اور علم کی انکساری اور خدمت گزاری پیدا کرتے ہیں۔

مولانا کی علمی و تعلیمی زندگی سے شاید ہم پورا فائدہ اٹھا نہ سکے، اگر ان کی وفات ہمارے اندر جستجوئے علم، بے ریائی اور قبولیت حق اور تغیر کی کوئی خوشگوار کیفیت پیدا کر دیتی ہے۔ تب بھی ہم خالی ہاتھ نہ کہلائیں گے لیکن ان کی کچھ زندگی اور دور کی کچھ چوٹ اس کے لئے ستم رہے گی۔

قرآن کا پیام

از مولانا عبد الماجد صاحب دریابادی

فَمَنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ قُلْ صَدَقَ
اللّٰهُ فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ
وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝ فِيْهِ اٰيٰتٌ بَيِّنٰتٌ
مَّقَامُ اِبْرٰهِيْمَ ۚ وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا ؕ وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ
مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ؕ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ۝
قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۖ وَاللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰى مَا تَعْمَلُوْنَ ۝

سو جو شخص اللہ پر اس کے بعد بھی جھوٹ گڑھے تو بس ایسے ہی لوگ تو ظالم ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ اللہ نے سچ بات فرما دی ہے تو تم سیدھی راہ والے ابراہیم کے دین کی پیروی کرو اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھے۔ سب سے پہلا مکان جو لوگوں کے لئے وضع کیا گیا وہ ہے جو مکہ میں ہے (سب کے لئے) برکت والا اور سارے جہان کے لئے راہنما ہے اس میں کھلے ہوئے نشان ہیں (ان میں سے ایک) مقام ابراہیم ہے اور جو کوئی اس میں داخل ہو جاتا ہے وہ امن سے ہو جاتا ہے اور لوگوں کے ذمہ ہے حج کرنا اللہ کے لئے اس مکان کا (یعنی) اس شخص کے ذمہ جو وہاں تک پہونچنے کی طاقت رکھتا ہو اور جو کوئی کفر کرے تو اللہ سارے جہان سے بے نیاز ہے۔ آپ کہہ دیجئے کہ اے اہل کتاب تم کیوں اللہ کی نشانیوں سے کفر کر رہے ہو، درآنحالیکہ اللہ تمہارے کرتوتوں کا گواہ ہے۔

(اپنے حق میں)
یعنی واضح اور صریح شہادتوں کے بعد بھی اپنے جھوٹ پر قائم رہیں اور یہ کہے جائیں کہ فلاں فلاں چیز تو خدا کی طرف سے حرام کی ہوئی ہیں۔

من بعد ذٰلک یعنی اس واضح شہادت کے بعد۔

غذاؤں میں اصل ان کی حلت ہے حرمت صرف حکم خداوندی ہی سے ہو سکتی ہے۔

یعنی قرآن نے امر حق واضح کر دیا اور تم نے وہ جھوٹ اپنے ہی اکابر اور اپنے مقدس نوشتوں کی بابت گڑھ رکھے تھے ان کی غلطی کھول دی۔

فاتبعوا ملۃ ابراھیم۔ یعنی انھیں ابراہیم کے دین کی پیروی کرو جنھیں تم بھی اپنا مقتدا و پیشوا مانتے ہو۔

(دنیا میں بطور عبادت گاہ کے)
مراد خانۂ کعبہ ہے جس کی اولین تعمیر حضرت آدمؑ نے کی تھی اور اس کے منہدم ہو جانے کے بعد از سر نو حضرت ابراہیمؑ و حضرت اسمٰعیلؑ نے کی۔

وضع للناس یعنی لوگوں کی طاعت و عبادت کے لئے بنایا گیا۔

اول بیت حدیث نبوی اور اقوال تابعین سب میں اولیت اور قدامت کی تصریح ملتی ہے

(بطور قبلے کے)
کعبہ کو سب سے پہلا معبد کہہ کر یہود کو یہ بھی جتلا دیا گیا کہ تو بیت المقدس سے بھی قدیم تر ہے۔

بکۃ مکہ ہی کا دوسرا نام بکۃ ہے صرف عربی کے ایک قاعدہ کے مطابق جس سے حرف م اور حرف ب میں اکثر تبادلہ ہو جاتا ہے چنانچہ لازم اور لازب۔ راتم اور راتب، نغیط اور نبیط اسی کی مثالیں ہیں۔ اسی قاعدہ کا عمل یہاں بھی ہوا

ایک قول یہ بھی ہے کہ مکہ نام ہے کل شہر کا اور بکہ کا اطلاق ہے مسجد حرام اور مطاف پر۔

بائبل میں بھی ایک جگہ ذکر وادی بکہ کا، تحریفات کے باوجود رہ گیا، وہ بکا کی وادی میں گزر کرتے ہوئے اسے ایک کنواں بناتے (زبور ۸۴: ۶) بائبل کے قدیم مترجموں نے اپنی بے احتیاطی کی عام عادت کے مطابق ترجموں میں اسے بجائے علم کے اسم نکرہ قرار دے کر اس کا ترجمہ رونے کی وادی کر ڈالا اصل لفظ کے بعد اب غلطی کا احساس ہوا اور اب جیوش انسائیکلوپیڈیا میں اقرار ہے کہ یہ ایک مخصوص بے آب وادی کا نام ہے (جلد ۲ صفحہ ۴۱۵)

اللہ ان کو اتنا سمجھنے کی توفیق اور دے دے کہ یہی "بے آب وادی" مکہ معظمہ ہے۔

مبارکا یہ وہ مقام ہے جہاں مادی اور روحانی، دنیوی اور دینی برکتیں جمع کر دی گئی ہیں۔

لَلَّذِیْ میں لام تاکید کا ہے۔

مکہ کی قدامت پر مسیحی مورخین کو بھی شہادت دینی پڑی ہے۔ (ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی)

مورخ مسعودی کے ایک بیان سے مکہ کی قدامت پر جاہلی نقطۂ نظر سے بھی روشنی پڑتی ہے۔ اس عقیدہ کا تمامتر ایک مشرکانہ وہم ہونا ظاہر ہے۔ تاہم قدامت کی شہادت کا مقصد تو اس سے حاصل ہی ہو جاتا ہے۔

ایک گروہ کا خیال ہے کہ بیت الحرام جو اتنا زمانہ گزر جانے کے بعد بھی ہر زمانہ میں معزز رہا ہے وہ اس لئے کہ وہ ستارہ زحل کا ہیکل ہے اور زحل ہی اس کا مربی ہے۔ اور زحل کی خصوصیت بقاء دوام ہے جو چیز بھی اس کے نام پر ہوگی، اس میں زوال و تغیر نہیں ہوگا بلکہ اس کی تعظیم و تکریم ہمیشہ باقی رہے گی۔

تقدیر کلام یوں ہے۔ منہا مقام ابراھیم۔

فیہ یعنی اس اول بیت میں۔

اٰیٰت بیّنٰت کھلے ہوئے توحید الٰہی کے شعائر یا حج کے شعائر۔

بیت سے یہاں مراد خانۂ کعبہ نہیں بلکہ سارا حرم شریف ہے۔ مقام ابراہیم کے نام سے جو پتھر رکھا ہوا ہے وہ خانۂ کعبہ کے اندر نہیں، باہر ہی ہے۔

(بلحاظ زاد سفر و امن راہ وغیرہ)

استطاع الیہ سبیلا۔ استطاعت سبیل سے مراد وہاں تک پہونچ جانے کے ذرائع و اسباب ہیں۔

حج البیت حج و فرضیت حج پر جو اشی پارہ دوم کے وسط میں گزر چکے۔

علی الناس میں علیٰ شدت تاکید کے لئے ہے۔

(سو وہ سیاہ بخت اپنا نقصان آپ کرے گا۔ اللہ تعالیٰ کو کیا نقصان پہونچا سکے گا۔)

اللہ تعالیٰ کی صفت غنا کا اثبات ان مشرک قوموں کے رد میں ہے۔ جن کے دیوی دیوتاؤں کا وجود ان کے پجاریوں ہی کے دم سے قائم ہے اور وہ دیوتا اپنے کھانے پینے تک کے لئے اپنے پجاریوں کے محتاج رہتے ہیں۔

(اور اس حاضر و ناظر، ہمہ بیں، ہمہ داں حاکم کے آگے کوئی حیلہ بہانہ چل سکے گا۔)

اھل الکتاب سے اشارہ خاص طور پر یہود کی جانب ہے جو مسلمانوں کو طرح طرح بہکاتے رہتے تھے۔

تکفرون بایات اللہ۔ آیات اللہ سے مراد خاص طور پر نبوت محمدیؐ کے شواہد و دلائل ہیں اور کفر سے مراد نبوت محمدیؐ سے انکار ہے۔

مشرق وسطیٰ کی ڈائری

قسط (۷)

مواد خام جو ضائع ہو رہا ہے

تحریر مولانا ابوالحسن علی ندوی
ترجمہ شمس الحق ندوی

۲۴/۴/۷۰ھ مطابق ۱/۲/۵۱ء

ڈاکٹر احمد امین سے مسئلہ جوگ و تصوف پر گفتگو:- آج سویرے میں نے اپنے رسالہ "بین العالم وجزیرۃ العرب" کا مقدمہ لکھا پھر جیزہ گئے ڈاکٹر احمد امین ہمارے منتظر تھے، ملاقات ہوئی، باتیں شروع ہو گئیں، انھوں نے جوگ کے متعلق مجھ سے دریافت کیا، میں نے کہا، یہ ایک علم ہے جو ہندوستان میں عام ہے، ان لوگوں کے پاس جسمانی ورزش، حفاظت صحت اور جسم کو قوی بنانے کے اچھے تجربات ہیں، رہا روحانیت کا معاملہ تو اس معاملہ میں یہ لوگ جسم کو تکلیف کا عادی بنا کر اور خواہشات نفس کی مخالفت کر کے خلاف فطرت چیزوں کا مظاہرہ کرتے ہیں، وہ نفس کو عرصۂ دراز تک لذائذ و خواہشات سے محروم رکھتے ہیں اور اسی طرح کی خلاف فطرت ورزشیں کرتے ہیں، اس میں شبہ نہیں کہ جب نفس کو سدھا لیا جائے تو حیرت انگیز باتوں کے مظاہرہ کی آدمی میں صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے۔ لیکن ان جوگیوں کے یہ کمالات اہل اللہ کے کمالات کے مقابلہ میں، شعبدہ بازی اور کرتب سے زیادہ وقعت نہیں رکھتے۔ یہی وجہ ہے کہ صوفیائے کرام، جو سنت کے پیرو ہوتے ہیں۔ اپنی اصل توجہ دل کی اصلاح و صفائی پر مرکوز رکھتے ہیں، بات تصوف و صوفیائے کرام پر چل نکلی، اندازہ ہوا کہ ڈاکٹر احمد امین صاحب اس علم سے بھی واقف ہیں۔ ایک نقشبندی شیخ سے جو دو افراد (?) تھے انھوں نے کچھ علم تصوف حاصل کیا تھا، میں نے کہا یہ حقیقت ہے کہ ان حضرات کے علم میں کچھ اذکار و وظائف ہوتے ہیں جس سے دل کو سکون و قوت حاصل ہوتی ہے۔

حکیم و عارف کا فرق:- ڈاکٹر احمد امین نے کہا کہ میں نے بعض قصوں میں پڑھا ہے کہ ایک مرتبہ ابن سینا کی مشہور بزرگ سلطان ابو سعید ابو الخیر سے ملاقات ہو گئی دونوں حضرات تین دن تک ساتھ رہے جدا ہونے کے بعد ایک شخص نے ابن سینا سے شیخ ابو الخیر صاحب کے مرتبہ کے متعلق پوچھا ابن سینا نے جواب دیا کہ ان کی بلند مقامی کا حال یہ ہے جو میں جانتا ہوں اسے وہ دیکھتے ہیں۔ شیخ ابو الخیر صاحب سے ابن سینا کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے کہا کہ جو ابن سینا جانتے ہیں میں اس کو دیکھتا ہوں۔ میں نے عرض کیا کہ علامہ اقبال نے اپنے شعر میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے ؎

مردِ دیں را آں خبر از در النظر (?)
او درونِ خانہ ما بیرونِ در

کثرت سے وحدت کی طرف:- میں نے کہا کہ غور و فکر اور علم کا منتہائے مقصود متعدد خداؤں کے عقیدہ و تصور کو چھوڑ کر خدائے واحد کے عقیدہ تک پہونچنا ہے یہ انسان کی سب سے بڑی طاقت اور سب سے بڑا علم ہے، اگر کسی شخص کو یہ بات حاصل ہو جائے تو وہ اسباب و مادیت کی دہلیز پر جبہ سائی اور پریشان نظری سے نجات پا جائے، اور یہ علم حقیقی اس کو اسباب کے ذریعہ خالق اسباب تک پہونچا دے ایک دن میں اپنے دوستوں کی ایک بے تکلف مجلس میں کہہ رہا تھا کہ صرف عقل ہی علم کا سرچشمہ نہیں ہے بلکہ دل بھی انسانی علم کا سرچشمہ ہے بعض احباب اپنے اس خیال پر مصر تھے کہ صرف عقل علم کا سرچشمہ ہے میں نے ان سے کہا کہ مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی نے عقل پر تنقید کرتے ہوئے بڑے پتے کی بات کہی ہے ان کا نظریہ یہ ہے کہ عقل بالکل بے خطا اور انسان کی وجدانی صلاحیتیں اور کشف و ادراک یکسر معصوم نہیں، بلکہ عقل و وجدان ظاہری اور بیرونی چیزوں، نیز عادات و خواہشات سے متاثر ہوتے ہیں، حق و ناحق، صحیح و غلط اس طرح باہم مل جاتے ہیں کہ انسان اس کو محسوس نہیں کر سکتا ٹھیک اسی طرح جیسے آئینہ میں بہت سی چیزوں کا عکس نظر آتا ہے۔

علم کا صحیح سرچشمہ وحی الٰہی اور علم نبوت ہے:- علم کا اصل سرچشمہ جس پر اعتماد کیا جائے وہ وحی الٰہی اور انبیاء کرام کا لایا ہوا علم ہے، ہم لوگ عجائب گھر میں ٹہل رہے تھے تبادلۂ خیال اور گفتگو کا سلسلہ برابر جاری تھا، چلتے چلتے ہم لوگ "جزیرۃ الشائی" (?) میں پہونچے اور ـــ تالاب کے کنارے ایک چھتری کے نیچے بیٹھ گئے، ڈاکٹر احمد امین نے چائے منگوایا۔ تالاب کے صاف شفاف پانی اور اس میں تیرنے والی کشتیوں کے دلفریب منظر کا بھی ہم لطف اٹھا رہے تھے اور ڈاکٹر صاحب کی پر از معلومات باتوں سے بھی مستفید ہو رہے تھے۔ سلسلۂ کلام تھا ڈاکٹر صاحب نے کہا، اس میں شک نہیں کہ تصوف کے ذریعہ آدمی تہذیب جدید کی ترغیبات کا مقابلہ کر سکتا ہے۔

شیخ جمال الدین اور محمد عبدہ کے بارے میں کچھ معلومات:- میں نے کہا کہ شاید جمال الدین افغانی کو تصوف سے کچھ لگاؤ تھا وہ ذکر قلبی کیا کرتے تھے ڈاکٹر احمد امین نے کہا میں تو سمجھتا ہوں کہ شیخ محمد عبدہ پر بھی تصوف کا اثر تھا، یہ دونوں حضرات دنیا سے بے تعلق تھے، جب ان کا انتقال ہوا تو وراثت میں کچھ نہیں چھوڑا میں نے پوچھا کیا آپ نے شیخ محمد عبدہ سے پڑھا ہے؟ فرمایا میں ان کے دو درسوں میں حاضر ہوا ہوں، وہ بڑے سخی اور ایثار پسند تھے جو کچھ ملتا اپنے ساتھیوں اور غرباء میں تقسیم کر دیتے کچی اینٹ کے گھر میں رہتے تھے۔ پھر وہ کہنے لگے وحدۃ الوجود کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے میں نے کہا یہ مسئلہ فکر و نظر سے زیادہ عمل سے تعلق رکھتا ہے، انھوں نے بھی یہی خیال ظاہر کیا اور فرمایا کبھی کبھی انسان کو بڑی قیمتی گھڑیاں اور کیفیات نصیب ہوتی ہیں لیکن اس کیفیت روحانی کو بقا و دوام حاصل نہیں ہوتا میں نے عرض کیا کہ اگر ہمیشہ یہ کیفیت رہے تو انسان زندگی سے کٹ کر گوشہ نشین ہو جائیں اور یہ رزم گاہ حیات اور زندگی کا نظم و ضبط برقرار نہ رہ سکے۔ زندگی معطل ہو کر رہ جائے۔ انھوں نے کہا میں نے کچھ لوگوں کے بارے میں سنا ہے کہ ان کو ہمہ وقت یہ کیفیت حاصل رہتی تھی میں نے کہا ایسا بھی ہوتا ہے اور یہ اس وقت ہوتا ہے جب انسان کو پورا ملکہ حاصل ہو جاتا ہے۔

تعلیم اور عہدۂ قضاء کا فرق:- طرح طرح کی باتیں ہوتی رہیں میں نے کہا کیا آپ کو جج بننے کا شوق تھا بولے نہیں۔ ـــ اسی لئے تو میں نے آخر میں عہدۂ قضاء سے الگ ہو کر درس و تدریس کا مشغلہ اپنایا۔ عہدۂ قضا میں بہت سے اجڑے ہوئے خاندان سامنے آتے ہیں جن سے طبیعت متاثر ہوتی ہے، اور درس و تدریس میں ایسی کلیاں سامنے آتی ہیں جو کھلا چاہتی ہیں۔ ڈاکٹر احمد امین نے کہا میرے ایک استاد کہا کرتے تھے تمہارا ذہن ریاضی پسند ہے، تم ادب کیوں پڑھ رہے ہو، میں نے کہا جی ہاں اسی لئے آپ کا ادب حشو و زوائد سے پاک ہے۔ انھوں نے کہا میں ادب میں عقلی ترتیب پسند کرتا ہوں میں شعر و شاعری کا ذوق اسی لئے نہیں رکھتا کہ اس میں عقلی ترتیب نہیں ہوتی۔

جمعیۃ الشبان المسلمین کے ڈاکٹر عبد الحمید ہال میں:- رات کو ہم لوگ جمعیۃ الشبان المسلمین کے عبد الحمید ہال میں ڈاکٹر سعید رمضان صاحب کی تقریر سننے کے لئے جمع ہوئے، تقریر طویل اور پر جوش ـــ تھی۔ تقریباً دو گھنٹے تک جاری رہی تقریر کا موضوع "الجامعۃ الاسلامیۃ" یعنی اسلامی اتحاد تھا اس تقریر میں علمی رنگ سے بڑھ کر دینی رنگ غالب نظر آیا، اس سے ہمیں معلوم ہوا کہ مصری زندگی میں بڑا انقلاب پیدا ہو گیا ہے، مذہبی بات جو کبھی نامانوس اور طبیعتوں پر گراں تھی اب مقبول و پسندیدہ ہو چکی ہے، اسی طرح سے نوجوان طلبہ بھی دین کی طرف مائل ہیں، انھوں نے پوری تقریر ہمہ تن گوش ہو کر سنی۔ بہت سے نوجوانوں نے کھڑے کھڑے تقریر سنی، تقریر کے دوران اللہ اکبر، اور الحمد للہ کے نعرے گونجے اور زور زور تالیاں بجتیں۔

۲۵/۴/۷۰ھ مطابق ۲/۲/۵۱ء

آج ہمارے دوست شیخ احمد عثمان ہم لوگوں سے ملنے آئے فرمایا "مصر پر تو بجلی گر گئی" میں نے کہا کیا بات پیش آئی انھوں نے بتایا کہ یونیورسٹی کے طلبہ نے مطالبہ کیا ہے کہ پیشہ ور عورتوں کو حسب سابق اجازت دی جائے ان پر جو پابندی لگائی گئی ہے اس کو ختم کیا جائے۔ اس لئے کہ نوجوان لڑکے راہ چلتی لڑکیوں سے بہت چھیڑ چھاڑ کرنے لگے ہیں۔ اس کے بغیر اب اس پر قابو نہیں پایا جا سکتا کہ پیشہ ور عورتوں کو اجازت دی جائے اس واقعہ سے وہ بہت متاثر تھے دوسرے وقت پھر میرے پاس آئے دینی حمیت اور جوش اسلامی سے مغلوب الحال تھے ازہر کے علماء کو سخت سست کہنے لگے، فرمایا جس طرح انھوں نے گریڈ اور پیمنٹ (?) کے لئے اسٹرائک کی ہے، دینی اخلاقی قدروں کے لئے کیوں نہیں کرتے، جس طرح اپنی ذاتی غرض کے لئے انھوں نے اسٹرائک کی خدا اور رسول کے لئے کیوں نہیں کرتے، میں نے کہا استاذ محترم بس کیجئے اسلام سے کشمکش، اخلاق سے مذاق، بے حیائی اور فطری حدود سے تجاوز اس وقت تک باقی اور جاری رہے گا، اور اس میں ترقی ہوتی رہے گی۔ جب تک سوسائٹی میں طاقتور دینی روح، اور ان مضحکہ خیز اور رلانے والے واقعات کے مقابلہ میں صحیح حمیت دینی اور خودداری نہ پیدا ہو جائے۔

معاشرہ میں دینی شعور و روحانی بیداری:- جب تک عوام اور سوسائٹی کے افراد میں دینی شعور نہ پیدا ہوگا اور جب تک قوم حکومت کے اخلاقی میلان اور اس کے اختیارات کی رقیب و محاسب نہ ہو یہ روگ دور نہ ہوگا اس کے بغیر ہر تدبیر وقتی اور ناقص ہوگی، آج ہم لوگ موٹر ہی میں بیٹھے ہوئے مصری ریڈیو اسٹیشن سے قرآن کی تلاوت سنتے رہتے ہیں۔ میں نے کہا اس وقت قرآن کا سننا کتنا عام ہو گیا لیکن اس کے بقدر فائدہ اٹھانا اور اس سے متاثر ہونا کتنا کم ہو گیا ہے، ہم لوگ ایک دیہی مقام "اوسیم" گئے۔

مصری دیہات کی سیر:- پہلی بار میں نے مصری دیہات دیکھا تھا، یہاں اور ہندوستان کے دیہات میں اتنی یکسانیت تھی کہ ایسا محسوس ہوا جیسے ہم ہندوستان میں ہیں، دیہات کی جس زندگی کو ہم دیکھ رہے تھے زمین کے جن حصوں کو ہم طے کر رہے تھے یا تنے پسماندہ تھے جیسے ان کا قاہرہ سے کوئی تعلق نہیں، قاہرہ تہذیب و تمدن کے بام عروج پر ہے اور یہ دیہات انتہائی پسماندہ غریب مفلوک الحال، اور حکومت کی بے توجہی کے شکار ہیں۔

معیار زندگی میں بہت زیادہ فرق ایک بڑا خطرہ ہے:- زندگی کے رہن سہن تہذیب و ثقافت میں ایک ہی سوسائٹی ایک ہی شہر بلکہ شہر کے ایک ہی محلہ میں یہ نمایاں فرق، ملک و قوم کے لئے بڑا خطرہ ہے یہی چیز اقتصادی بغاوت اور کمیونزم کے لئے راہ ہموار کرتی ہے۔

ہم لوگ الحاج "عطیہ بہجاشنی" (?) کے گھر پہونچے ان کا مکان ایک شاندار محل تھا میں نے قاہرہ میں سنا تھا کہ انھوں نے اس کی تعمیر میں پچیس ہزار پونڈ صرف کئے پھر ہم مسجد گئے اور جمعہ کی نماز پڑھی ہمارے دوست سید علی محمد اشرف (?) نے خطبہ دیا اور نماز پڑھائی۔ نماز کے بعد میری تقریر کا اعلان کیا، میں کھڑا ہوا اور سورہ عصر کی تفسیر بیان کی۔ جیسے ہی میں نے تقریر ختم کی لوگ مجھ پر ٹوٹ پڑے ہر ایک مصافحہ کرنا چاہتا تھا اتنا ہجوم تھا کہ میں نے خطرہ محسوس کیا کہ کہیں گر نہ جاؤں۔

دیہات میں مسلم مہمان کے ساتھ اچھا برتاؤ:- میں نے اللہ سے دعا کی کہ ان لوگوں کے حسن ظن کو صحیح ثابت کرے اور ہمیں رسوا نہ کرے ان کا برتاؤ دیکھ کر دل و روح پر دین کے غلبہ اور اثر و نفوذ کا مجھے اور یقین آ گیا میں ہندوستان کا رہنے والا یہ مصر کے، دینی تعلق کے سوا ہمارا ان کا کوئی رشتہ نہ تھا لیکن وہ حسن اخلاص اور دینی محبت سے مل رہے تھے کہ روئے زمین کے کسی خطہ میں کسی پردیسی سے اس طرح نہیں ملا جاتا یہ دینی جذبہ تھا اس کی تاثیر ہے یہ سب کچھ ہو رہا تھا۔

کچا مال جو ضائع ہو رہا ہے:- میں اپنے مسلمان بھائی کے ساتھ ان کے اس اچھے برتاؤ، سلامت طبع اور جذبہ محبت سے متاثر ہو کر نکلا، میں نے اس تاثر کو ان لوگوں سے بیان کیا اور کہا دنیا میں خام مال جتنا بہتر سے بہتر پایا جا سکتا ہے وہ آپ کے پاس موجود ہے مگر وہ بے کار و بے فائدہ ہے، اگر کوئی ایسا شخص میسر نہیں جو اسے صحیح رخ پر ڈالے اور اس سے فائدہ اٹھائے استاذ جلال نے میری تائید کی اور فرمایا میں مشرق و مغرب کے ملکوں میں پھرا ہوں یورپ کی کئی بار سیر کی ہے لیکن اس کو ان دیہاتوں کے مقابلہ میں ایمان اور روحانی طور سے زیادہ صاف ستھرا نیز اچھا و طاقتور نہیں پایا۔ مگر ہم احساس کمتری کے شکار ہیں، ہم اپنا اور اپنی قوم کا اعتماد کھو چکے ہیں ہم اس کو حقیر و کمتر اور یورپ کے معاشرہ کو بلند و برتر سمجھتے ہیں، خدا شاہد ہے کہ ہم نے صفائی اور سلامت طبع ایمانی قوت اور فطری صلاحیت اس درجہ کی کہیں نہیں دیکھی جتنی عرب مسلمان اور دیہات کے عام باشندوں میں ہم نے ان کے سامنے ہندوستان کے طریقہ اصلاح و دعوت کی تشریح کی، عوام سے ملنے، پڑھے لکھے خوشحال لوگوں کے اس راہ میں تعاون کرنے گاؤں اور شہروں میں نکلنے کا حال بیان کیا ہم نے بتایا کہ وہ لوگ مہینہ یا ہفتہ میں کچھ دن متعین کر لیتے ہیں جس میں وہ دینی تبلیغی سفر کرتے ہیں استاذ جلال نے میری تائید کی اور ہندو پاک میں انھوں نے جو کچھ دیکھا تھا اور اس دعوت و تبلیغ سے ان دونوں ملکوں میں جو نفع ہوا ہے، اس کو بیان کیا ہم نے حاضرین میں اس خاکہ کو اپنے شہر میں چلانے کا شوق محسوس کیا، شاید اللہ تعالیٰ اس کے بعد کوئی صورت پیدا فرمائے۔

جامع ازہر کی زیارت:- ازہر کے قریب رہتے ہوئے اس کو نہ دیکھنا یہ بڑی ناانصافی کی بات معلوم ہوئی، اگرچہ اس وقت ازہر میں اسٹرائک چل رہی تھی، تاہم خیال ہوا کہ ازہر دیکھنے کا شرف حاصل کریں، اس کے دار الاقامے، کالج، دفاتر جو کچھ بھی دیکھ سکیں دیکھ لیں، غرضیکہ پہلے ہم جامع گئے اور اس تاریخی مسجد اور عظیم گہوارۂ علم میں داخل ہوئے جس نے اتنے آئمہ، محدثین، فقہا، مصنفین، مصلحین اور داعی پیدا کئے کہ عالم اسلام کے کسی دوسرے تعلیمی ادارے اور یونیورسٹی نے پیدا نہ کئے ہوں گے۔ اس مبارک مسجد اور اس عظیم درسگاہ کا اجتماع کیا خوب ہے، ہم مسجد میں داخل ہوئے تو ان علماء دین و سلف اور دین کے سچے خادموں کی یاد تازہ ہو گئی جو چٹائی اور معمولی فرش پر بیٹھتے تھے اور بادشاہوں پر حکومت کرتے تھے وہ اپنی قوم، دین اور علم کے بے لوث خادم اور صحیح معنی میں راہ حق کے مجاہد تھے مسجد میں داخل ہوتے ہی ہمیں علم کی بو محسوس ہوئی، علم و اخلاص، خوف خدا اور دنیا سے بے تعلقی کی خوشبو مہک رہی تھی، شاندار ماضی کا ایک لطیف جھونکا مشام جان کو معطر کر گیا۔ اسٹرائک کے بعد جب تعلیم شروع ہوگی تو پھر ان شاء اللہ ازہر آئیں گے۔

ازہر کے دفتر میں:- مسجد سے نکل کر ہم ازہر کے دفتر کی طرف چلے، دفتر [illegible]

(باقی صفحہ [illegible] پر)

اسلامی نظام کے تحت معاشی اصلاحات

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب (پاکستان)

آج کل یہ سوال عام ہے کہ سرمایہ داری اور سوشلزم کے مقابلہ میں اسلام کا معاشی نظام جس کو پوری انسانیت کے لئے امن اور اطمینان کا ضامن بتلایا جاتا ہے، وہ نظام کیا ہے، اور اس کے ذریعہ معیشت کے مسئلے کس طرح حل ہو سکتے ہیں؟

اس سوال کے جواب میں اصل بات تو یہ ہے کہ اسلام کا معاشی نظام کوئی محض نظری فلسفہ نہیں ہے جسے کبھی دنیا نے عملی زندگی میں دیکھا اور برتا نہ ہو، بلکہ یہ نظام سیکڑوں سال تک دنیا میں عملی طور پر نافذ رہا اور اس کی یہ برکتیں ہر دور کا ہر شخص دیکھ چکا ہے کہ جب کسی جگہ یہ نظام رائج ہوا وہاں ان معاشی ناانصافیوں کا نام و نشان نہیں رہا جن سے آج کی دنیا بے چین ہے۔ وہاں غریب اور امیر کی جنگ کا کوئی نام و نشان نہیں تھا۔ وہاں مزدور اور سرمایہ دار کی کوئی تفریق نہیں تھی، سب ایک ہی برادری کے افراد تھے اور ایک دوسرے کا ہمدردانہ تعاون کرتے تھے۔ وہاں مزدور اور کسان حقیر و ذلیل نہیں تھا، اس کی ایسی ہی عزت کی جاتی تھی جیسی برادری کے دوسرے افراد کی، وہاں صنعت و تجارت پر اجارہ داریاں نہیں تھیں جن کی وجہ سے ملک کی دولت سمٹ کر چند سرمایہ داروں کے لئے مخصوص ہو کر رہ جاتی۔ وہاں ان سرمایہ داروں کو مقرر کر دیا گیا تھا، جس کی وجہ سے یہ ممکن نہیں تھا کہ کچھ لوگ اپنی صرف کی چیزوں پر حکم بن کر بیٹھ جائیں، اگرچہ ان لوگوں کی کمر توڑتی رہے اور غریب عوام مصنوعی قحط کا شکار ہو کر رہ جائیں۔

پھر یہ نظام ایسا نہیں ہے کہ سینہ بہ سینہ چلا آ رہا ہو۔ اس کی تفصیلات ہم ہزاروں کتابیں موجود ہیں، علم فقہ کی کتابوں کا ایک بڑا حصہ اسلام کے معاشی قوانین پر مشتمل ہے اور بہت سے لوگوں نے ان احکامات کو قانونی دفعات کی شکل میں بھی مدون کر دیا ہے، مگر اس کا علاج کس کے پاس ہو کہ ہم مسلمان خود اپنے دین کو پڑھنے اور سمجھنے کے لئے اپنے وقت اور توانائی کا ہزارواں حصہ بھی صرف نہ کریں، کبھی قرآن، حدیث اور فقہ کو سمجھنے کی ضرورت نہ سمجھیں اور جب کوئی شخص اسلام کے معاشی نظام کا نام لے تو اس کے بارے میں یہ سمجھنا شروع کر دیں کہ یہ کوئی نئی اصطلاح ہے جس کا کوئی مفہوم ہے اور نہ ماضی میں اس کا کوئی عملی وجود قائم ہوا ہے۔ یہی صورت حال ہے جس کے باعث اس وقت یہ سوال کھڑا ہو گیا ہے کہ سرمایہ دارانہ نظام اور سوشلزم دونوں کے مقابلے میں جس اسلامی نظام کو مسلمان دین سب سے بہتر کہتے ہیں وہ آخر کیا ہے؟

اس کا مکمل جواب تو یہ ہے کہ اسلامی فقہ کی کتابیں پڑھئے اور ہر ہر چیز کی تفصیلات سامنے آ جائیں گی لیکن معلوم ہے کہ اس وقت یہ سوال کوئی خالص علمی حیثیت کا سوال نہیں جس کو فرصت کے اوقات میں حل کیا جا سکے، بلکہ یہ ملک کے ہنگامی حالات کا پیدا کردہ سوال ہے جس کا مختصر جواب جلد سے جلد سامنے آ جانا چاہئے۔ چنانچہ ہم ذیل میں نمونے کے طور پر اسلام کے معاشی نظام کی چند بنیادی خصوصیات پیش کر رہے ہیں جن سے یہ اندازہ ہو سکے گا کہ اگر ہمارے ملک میں صحیح اسلامی نظام رائج ہو جائے تو معیشت کے موجودہ ڈھانچہ میں کون سی بنیادی تبدیلیاں کرنی ہوں گی؟ تقسیم دولت کے موجودہ نظام پر اس کے کیا اثرات مرتب ہوں گے؟ اور ان کے ذریعہ عام خوشحالی کی فضا کیونکر پیدا ہو سکے گی؟

اس وقت ہمارا سب سے بڑا معاشی مسئلہ دولت کی غیر منصفانہ تقسیم ہے۔ عوام کی سب سے اہم اور معقول شکایت یہ ہے کہ ملک کی معاشی ترقی سے چند گنے چنے خاندان نہال ہو رہے ہیں، اور عام آبادی فقر و افلاس کا شکار ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام کی ستائی ہوئی دنیا کو اس مصیبت سے نجات دلانے کے لئے آج کل سوشلزم کا نسخہ پیش کیا جا رہا ہے۔ لیکن ہم دعوے کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ اس صورت حال کا علاج سوشلزم کے پاس نہیں، یہ صرف اور صرف اسلام کے پاس ہے۔

غور کیا جائے تو ہمارے معاشرے میں عام آدمی کی معاشی پریشانی کے بنیادی طور پر دو سبب ہیں۔ آمدنی کی کمی اور گرانی کی وجہ سے اخراجات کی زیادتی اور ان دونوں اسباب کی ذمہ داری ہماری معیشت کے اس سرمایہ دارانہ نظام پر عائد ہوتی ہے جس نے پوری قوم کی دولت کو چند ہاتھوں میں سمیٹ کر رکھ دیا ہے۔ اسلام کا نظام معیشت نافذ ہو تو مندرجہ ذیل اقدامات کے ذریعہ یہ دونوں چیزیں ساتھ ساتھ ختم ہوتی چلی جائیں گی۔

۱۔ صنعتی اجارہ داریاں جو کارٹیل کی شکل میں رائج ہیں ان سب کو ممنوع قرار دے کر آزاد مسابقت کی فضا پیدا کی جائے تاکہ ناجائز منافع خوری کا انسداد ہو سکے۔ اس وقت صنعتی اجارہ داریوں کی وجہ سے پورا بازار چند بڑے بڑے سرمایہ داروں کے ہاتھ میں ہے اور وہی قیمتوں کے نظام کو اپنی طبعی رفتار سے ہٹا کر گرانی پیدا کرنے کے ذمہ دار ہیں۔ اگر یہ اجارہ داریاں ختم ہو جائیں تو منافع کی جو زائد مقدار سرمایہ داروں کے پاس جا رہی ہے اس سے عوام مستفید ہو سکیں گے۔

۲۔ کلیدی صنعتیں مثلاً ریلوے، جہاز رانی، جہاز سازی، فولاد سازی، تیل وغیرہ کی صنعتیں حکومت خود اپنی نگرانی میں قائم کرے اور ان میں صرف ان لوگوں کے حصص قبول کئے جائیں جن کی آمدنی ایک ہزار روپیہ ماہانہ سے کم ہو جن کا بینک بیلنس پچیس ہزار روپیہ سے کم ہو اور اب تک اس قسم کی صنعتوں میں اس سے زائد آمدنی یا بینک بیلنس والے جن افراد کے حصص ہیں ان کے ساتھ مالی کے ختم پر شرکت کا معاہدہ فسخ کر دیا جائے۔

یہ طریقہ صنعتوں کو قومی ملکیت میں لینے سے کہیں زیادہ مفید ہوگا، اسلئے کہ صنعتوں کے قومی ملکیت میں چلے جانے سے صنعتیں غریبوں کی ملکیت میں نہیں آتیں بلکہ ان پر سرکاری افسروں کا تسلط قائم ہو جاتا ہے۔ اس کے بجائے اس صورت میں غریب عوام براہ راست صنعتوں کے مالک ہوں گے اور ان پر نہ سرمایہ داروں کا تسلط ہوگا نہ حکومت کا۔

۳۔ سود ارتکاز دولت کا سب سے بڑا سبب ہے، قوم کے لاکھوں افراد کے مجتمع سرمایہ سے جو نفع حاصل ہوتا ہے وہ اس سودی نظام کی وجہ سے سارا کا سارا ان چند سرمایہ داروں کی جیب میں چلا جاتا ہے جو بینک سے لاکھوں روپیہ قرض لے کر بڑی بڑی تجارتیں کرتے ہیں اور عوام کو نہایت معمولی سی رقم سود کی شکل میں ملتی ہے اور چونکہ سرمایہ دار نفع کی اتنی بھاری مقدار حاصل کر کے بازار کے حکمراں بن جاتے ہیں اور جب چاہتے ہیں مصنوعی قحط اور گرانی پیدا کر دیتے ہیں اس لئے یہ معمولی سی رقم بھی بالآخر مزید کچھ سود لے کر انہی سرمایہ داروں کے پاس پہنچ جاتی ہے۔ مثلاً کراچی میں روئی کی لاکھوں گانٹھیں آتی ہیں اور یہ ساری کی ساری گانٹھیں صرف چند تاجر خریدتے ہیں جن کو بینک کی امداد حاصل ہوتی ہے۔ اپنے روپے سے کاروبار کرنے والا ایک بھی نہیں ہے۔

اسلامی نظام قائم ہو تو یہ ظالمانہ نظام ختم ہو کر بینکاری کے نظام سود کے بجائے شرکت اور مضاربت کے اصول پر چلایا جائے گا جس کے نتیجہ میں بینک میں روپیہ جمع کرنے والے عوام بینک کے جمع شدہ سرمایہ کے نفع میں شریک ہوں گے اور اس سے دو فائدے ہوں گے ایک طرف بازار سے چند افراد کا تسلط ختم ہوگا اور اس سے ارزانی پیدا ہوگی، دوسری طرف منافع کے حصہ دار بہت زیادہ ہوں گے اور بڑی بڑی تجارتوں کا مناسب منافع بینکوں کے واسطے

(باقی صفحہ ۱۸ پر)

مولانا بلیاویؒ

(ہم بہت رنج و قلق کے ساتھ یہ اطلاع دے رہے ہیں کہ دارالعلوم کے ایک فاضل و لائق فخر استاذ مولانا عبدالحفیظ بلیاوی رحمۃ اللہ علیہ ... جولائی کو مالک حقیقی سے جا ملے، زیر نظر مضمون مولانا سید محمد مرتضیٰ نقوی ناظم کتب خانہ دارالعلوم کا ہے اس کے مطالعہ سے مولانا کے بعض عجیب و غریب صفات و کمالات کا علم ہوگا اور یہ اندازہ ہوگا کہ کیسی نعمت ہمارے ہاتھ سے جاتی رہی۔ ادارہ تعمیر حیات اس غم میں شریک ہے، مرحوم کے لئے مغفرت و رفع درجات کا طالب اور ان کے پسماندگان کے لئے صبر و فلاح کے لئے دعا گو ہے۔)

غالباً ۱۹۴۲ء کے کسی مہینہ میں گوئیں روڈ پر مکتبہ الفرقان میں ہم کئی دوست بیٹھے ہوئے تھے کہ دو صاحب وہاں تشریف لائے مولانا عطاء اللہ صاحب مہتمم الفرقان نے تعارف کرایا کہ ان میں ایک مولانا عبدالحفیظ بلیاوی اور دوسرے قاضی اطہر صاحب مبارکپوری ہیں میں نے اس سے پہلے مولانا عبدالحفیظ صاحب کا ایک رسالہ پڑھا تھا جو الفرقان ہی سے شائع ہوا تھا، مولانا نے اس میں اس اعتراض کا جواب دیا تھا کہ "انگریزی تعلیم حاصل کرنے سے مسلمانوں کو علماء نے روکا ہے" اس وقت مولانا کی زیارت و ملاقات سے مجھے انتہائی مسرت ہوئی اور مولانا کی عظمت میرے دل میں اس وقت سے پیدا ہو گئی۔

اس کے تھوڑے ہی دنوں بعد مولانا دارالعلوم ندوۃ العلماء میں استاد ہو کر تشریف لائے، میں عقیدت و احترام کے ساتھ مولانا کی خدمت میں حاضر ہوتا رہا اور مولانا اپنی سادگی، بے نفسی اور شفقت کی بنا پر ہم خدام کو بے تکلف بناتے رہے، تھوڑے ہی دنوں میں اپنے اخلاق کریمانہ سے اساتذہ اور طلبہ میں محبوب بن گئے، چھوٹے چھوٹے اور ابتدائی درجات کے طلبہ سے چھیڑ چھاڑ فرماتے اور باتوں باتوں میں ان کو مستفید فرماتے طلباء میں جو لوگ بھی مولانا کی خدمت میں استفادہ کرنے جاتے شروع میں تنگی وقت کا عذر فرما کر انکار کر دیتے لیکن طلب صادق محسوس کر کے وعدہ فرما لیتے اور پھر خود ہی مشورے دے کر وقت مقرر کر کے کئی کئی کتابیں سبقاً سبقاً پڑھاتے۔

اپنا کام خود کرنے کے عادی تھے بڑی مشکل سے کوئی دوسرا ان کا کوئی کام کر پاتا، خود پکا کر اچھے کھانے خصوصاً مختلف قسم کی ترکاریاں اور سالن پکاتے لیکن کبھی تنہا نہ کھاتے۔ اکثر لوگوں کے یہاں بھیجتے اور اپنے دسترخوان پر کئی حضرات کو ضرور بلاتے اور خوش ہو ہو کر کھلاتے۔

مولانا بڑے سیر چشم اور فیاض تھے کبھی کسی کے احسان مند نہیں ہوئے اگر کوئی ادنیٰ سلوک کرتا تو اس سے کہیں زیادہ مولانا کی جانب سے بخشش ہوتی، مولانا جن لوگوں کو قرض دیتے (اور ایسا بہت ہوتا) ان سے بہت معمولی کام لینے سے بھی تامل فرماتے۔ ایک مرتبہ اصرار کے ساتھ دریافت کرنے پر فرمایا کہ میں جب دیوبند میں پڑھتا تھا میرے شہر کے ایک طالب علم حضرت میاں اصغر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پابندی سے جایا کرتے تھے میں بھی کبھی کبھی ان کے ساتھ میاں صاحب کی خدمت میں جایا کرتا تھا ایک مرتبہ وہ صاحب کچھ دنوں کے لئے اپنے وطن جانے لگے چونکہ حضرت میاں صاحب ان سے گھر کا کچھ سودا منگوا لیا کرتے تھے اس لئے جانے سے پہلے میاں صاحب کی خدمت میں یہ عرض کر گئے کہ یہ میری جگہ عبدالحفیظ خدمت میں حاضر ہوا کریں گے اور سودا وغیرہ لے آیا کریں گے، چنانچہ میں برابر جاتا رہا اور سودا لاتا رہا اسی دوران مجھے ضرورت ہوئی اور میں نے دو روپیہ میاں صاحب سے قرض لے لیا۔ دوسرے دن جب میں حاضر ہوا تو تھوڑی دیر کے بعد میں نے محسوس کیا کہ میاں صاحب بار بار دروازہ کی طرف دیکھ رہے ہیں، مجھ سے رہا نہ گیا اور میں نے دریافت کیا کہ حضرت آپ کیوں بار بار دروازہ کی طرف دیکھ رہے ہیں، کیا کوئی کام ہے؟ ارشاد فرمایا ہاں! میں نے عرض کیا میں حاضر ہوں، فرمایا کہ نہیں! تم سے کام لینا جائز نہیں ہے اس لئے کہ تم میرے مقروض ہو، اگر میں تم سے کام لوں گا تو یہ سود ہو جائے گا — مولانا نے فرمایا کہ میں فوراً وہاں سے اٹھ آیا اور ایک دوسرے صاحب سے دو روپے لے کر آیا اور میاں صاحب کو پیش کر دیا اور عرض کیا کہ حضرت اب تو میں سودا لا سکتا ہوں — مولانا نے فرمایا کہ اسی وقت سے میں بھی احتیاط کرتا ہوں کہ کسی مقروض سے حتی الامکان کام نہیں لیتا۔

مولانا نہایت پاکیزہ سیرت، متبع سنت اور خوش اوقات اور اوراد و وظائف کے پابند تھے، نا چیز کو بلا کر کئی مرتبہ مشورہ کیا کہ اب اپنے اکابر میں فلاں فلاں حضرات رہ گئے میں بیعت ہونے کا جی چاہتا ہے کس سے بیعت کی جائے، آخر کار حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے الٰہ آباد

از: مولانا سید محمد مرتضیٰ نقوی

تشریف لیجا کر بیعت ہوئے اور حضرت کی خدمت میں کئی بار تشریف لے گئے اور کئی کئی دن قیام فرمایا ہر بار مجھ سے حضرت کی شفقت و محبت کا حال [illegible] بیان کرتے رہتے۔

دارالعلوم [illegible] کے پابند تھے بہت خلوت پسند [illegible] وقت تک وہ خلوت نشین رہتے جب [illegible] طول نہ ہو [illegible] دارالعلوم میں ہی ارباب دارالعلوم [illegible] جو کام لینا چاہتے جیسے وہ کام کرنا لازم ہے [illegible] مناسب نہیں ہے مولانا [illegible] کی مجلس [illegible] سے بالکل خالی [illegible] ان کی خدمت میں بیٹھ کر کسی پر [illegible] کیا جا سکتا تھا، اپنی تعلیمی [illegible] واقعات [illegible] کا تذکرہ کر کے [illegible] کو نصیحت فرمایا کرتے تھے۔

مولانا کی صحت [illegible] سال سے زائد تھی سال ڈیڑھ سال پہلے [illegible] زندگی ہو گئی کہ اب اس طرف کھانے میں [illegible] دھر تقریباً دو برس سے گھٹنوں میں تکلیف ہو گئی تھی [illegible] اس تکلیف کو زیادہ اہمیت نہیں دی، اگرچہ علاج برابر جاری رہا۔ لیکن گذشتہ اکتوبر سے تکلیف بڑھ گئی معقول علاج ہوتا رہا [illegible] اسی کی وجہ سے کچھ [illegible] ہو گئی تھی۔ تقریباً ایک ماہ [illegible] تکلیف [illegible] کو جب تک اجابت نہ ہو جاتی گھٹنوں [illegible] شدید تکلیف رہتی اجابت ہو جانے کے بعد آرام ہو جاتا اور مولانا اپنے معمولات خوش [illegible] کے ساتھ ادا کرتے ایک دن اجابت دیر تک [illegible] نہیں ہوئی اور تکلیف کی شدت کی وجہ سے بے چین [illegible] یاد فرمایا میں مولانا نور الحسن صاحب اور مولانا عبدالماجد صاحب کے ساتھ حاضر ہو گئے۔ مشورہ [illegible] سے مولانا کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے اور وہ [illegible] فرمایا کہ اب میرا آخری وقت [illegible] قریب بیٹھ گئے بیٹھے بیٹھے [illegible] تھوڑی دیر [illegible] تشریف لے گئے [illegible] تکلیف [illegible] سکون ہوا تو فرمایا کہ میں [illegible] لحاظ [illegible]۔

بڑے بیٹے [illegible] مطب کرتے ہیں اور چھوٹے [illegible] گھر کی ساری [illegible] کام جانتے ہیں [illegible] زیادہ پریشانی [illegible] مدرسہ میں پڑھتے ہیں آمدنی کم ہے [illegible]

کہ کتاب مکمل ہو جائے تو محسن سلمہ کے حوالہ کر دوں۔ وہ کچھ اہتمام کر کے چھپوا لیں گے تو انشاء اللہ ان کا بہت کام چلے گا۔ فرمایا کہ آج کل عام طور پر جو تم لوگ میرا کمرہ بند دیکھتے ہو اس کا سبب یہ ہے کہ میں خاموشی کے ساتھ یہ کام کرتا ہوں۔ ابھی تک اس کتاب کے متعلق کسی سے نہیں بتایا ہے۔ آج تم لوگوں سے یہ راز بتاتا ہوں۔ اب تم لوگ دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کی تکمیل کرا دیں اسی کے ساتھ یہ تاکید فرمائی کہ تم لوگ ابھی کسی سے نہ بتانا۔ بظاہر وہ کتاب پوری نہ ہو سکی لیکن اس بیماری اور ضعف کی حالت میں اتنی ہمت اور کام کی لگن کا اندازہ کر کے بڑی حیرت ہوئی۔ مولانا کی لغت میں دو کتابیں "مصباح اللغات" اور اردو عربی ڈکشنری "چھپ چکی ہیں۔ ایک کتاب "صلات" پر اور ایک "فروق" پر تیار تھی ہیں ان کے علاوہ اور بھی کتابیں ہیں جن کا تعارف دوسرے حضرات کرائیں گے مولانا کی محنت اور ہمت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ ابھی چند سال پیشتر کتاب الاصنام کی (کلبی) کی ضرورت پیش آئی جو ندوہ کے کتب خانہ میں نہیں تھی۔ ٹیگور لائبریری سے وہ کتاب منگوائی گئی مولانا نے مجھ سے چند دنوں کے مطالعہ کے لئے مانگی۔ غالباً تین ہی چار دن کے بعد کتاب واپس فرما دی لیکن ساتھ ہی ساتھ اس کی ایک مکمل نقل اپنے ہاتھ سے خوشخط لکھ کر عنایت فرمائی میں نے عرض کی کہ آپ نے نقل کی ہے اپنے پاس رکھیں فرمایا نہیں چونکہ یہ کتاب کتب خانہ کے نام سے مستعار آئی تھی اس لئے یہ نقل کیا ہوا نسخہ کتب خانہ ہی میں رہنا چاہیئے۔ چنانچہ وہ کتب خانہ ہی میں محفوظ ہو گئی جسے اب نوادر میں شمار کیا جا سکے گا۔

بہرحال مولانا کی اس دل کی تکلیف سے ہم سب بہت فکر مند ہو گئے اور دوسرے ہی دن میں لکھنؤ کے مشہور معالج ڈاکٹر عبداللطیف خاں صاحب کے یہاں لے گیا جو ہم لوگوں میں صرف ڈاکٹر خاں صاحب مشہور ہیں انہوں نے بغور توجہ سے معائنہ کر کے بتلایا کہ بلڈ پریشر اور ذیابیطس دونوں کا اثر ہے۔ ان کے علاج سے افاقہ اور درد میں کمی ضرور ہو گئی تھی لیکن اچانک ایک دن صبح کو دماغ پر فالج کا حملہ ہو گیا۔ ڈاکٹر صاحب نے میڈیکل کالج لیجانے کا مشورہ دیا۔ وہاں فوراً لیجایا گیا اور جلد ہی مرض قابو میں آ گیا۔ چند دن اسپتال میں قیام رہا اور لیٹا ہر صحت ہو گئی لیکن تھوڑے ہی دنوں بعد پھر تکلیف شروع ہو گئی اور ہر دوسرے تیسرے دن بلڈ پریشر کی شکایت ہو جاتی۔ اب مولانا صاحب فراش ہو گئے مگر عزم و ہمت کا یہ حال تھا کہ جس دن طبیعت اچھی رہتی تصنیف و تالیف کا کام کرتے اور اور بہت خوش ہوتے اور فرماتے کہ میں اچھا ہو گیا۔ اور جس دن طبیعت گر جاتی پریشان ہو جاتے یہی کیفیت جون کے شروع ہفتہ تک جاری رہی ۲ر جون کو مولانا اپنے وطن رسول پور (بلیا) تشریف لے گئے۔ آخر جون تک طبیعت کچھ اچھی رہی اور دار العلوم تشریف لانے کی تیاری کرتے رہے ہم لوگ برابر منتظر رہے جولائی کے شروع میں میں نے اور دوسرے حضرات نے عریضے لکھے۔ جواب میں بڑی تاخیر ہوئی اس سے فکر بڑھی لیکن ۲۰ر جولائی کا لکھا ہوا مولانا کے ہاتھ کا گرامی نامہ مجھے ۲۲ر جولائی کو ملا جس میں تحریر فرمایا تھا کہ "میں تمہیں خط لکھنے کا ارادہ کر رہا تھا لیکن ان دنوں طبیعت بہت خراب ہو گئی تھی بلکہ مایوسی تھی اب طبیعت ٹھیک ہے اگر یہی حال رہا تو ایک ہفتہ میں دار العلوم آ جاؤں گا۔ دعا کیجئے۔ دیکھئے پردہ غیب سے کیا ظاہر ہوتا ہے۔"

گرامی نامہ پا کر دل خوش ہو گیا تھا لیکن افسوس کہ چار ہی دن بعد ۲۶ر جولائی ۱۹۷۱ء دو شنبہ کو ۱۱ بجے دن میں شفقت و محبت کا پیکر اور علم و فضل کا یہ آفتاب غروب ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائیں اور درجات بلند فرمائیں پسماندگان کی حفاظت فرما کر صبر جمیل عطا فرمائیں اور ہمارے دار العلوم کو ان کا سچا جانشین عطا کریں

بقیہ نفسیات

اشارہ ہوتا ہے کہ آپ اس اس چیز کا خوف طاری ہے اور اس خوف کی وجہ سے آپ کسی قسم کا کوئی عملی قدم اٹھانے سے قاصر ہیں ضروری نہیں کہ انسان جو اقدام کرے نتائج ہمیشہ اس کی مرضی کے مطابق ہوں۔ اسے ناکامی اور ہزیمت کا سامنا بھی ہو سکتا ہے لیکن یاد رہے یہ شکست ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھے رہنے سے ہزار درجہ زیادہ بہتر ہے۔

"دوسروں کا تعاون ضرور حاصل کریں" یہ چوتھا اہم اصول ہے مشکل وقت آن پڑے تو کچھ لوگ اپنا راز عمل اخفا کر لیتے ہیں گویا یہ افتاد یا مصیبت ان کے لئے کسی ذلت اور خواری کا باعث ہے۔ ان کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ کانوں کان کسی کو اس کے متعلق خبر نہ ہونے پائے۔ ورنہ لوگوں کی نظر میں ان کا وقار خاک میں مل جائے گا بعض حضرات فرماتے ہیں "بھئی یہ مصیبت میری ہے کسی دوسری ہے، میں اکیلا اس سے نبٹ لوں گا آپ اپنی راہ ناپیئے" یہ دونوں صورتیں خام خیالی کی پیداوار ہیں۔ اس دنیا میں کوئی شخص بھی اتنے وسائل اور ذرائع کا مالک نہیں ہے کہ ہر کام کو تنہا انجام دے سکے ہم سب کو روزمرہ کی زندگی میں قدم قدم پر ایک دوسرے کی مدد اور تعاون کی ضرورت پڑتی ہے۔ قانونی الجھنیں سلجھانے کے لئے وکیل، جسمانی امراض و تکالیف کے لئے طبی ماہرین مل جاتے ہیں، روحانی مسائل میں رہنمائی کیلئے علماء سے رجوع کیا جا سکتا ہے۔ یہ لوگ آپ کو بہتر مشورہ دے سکتے ہیں۔

"ہمیشہ زندگی کا خوشگوار پہلو دیکھنے کی کوشش کیجئے" اس کے نتیجہ میں آپ کے نقطۂ نظر میں نمایاں تبدیلی واقع ہوگی اس کی روشنی میں جب آپ کسی دکھ درد الجھن یا پریشانی کا تجزیہ کریں گے تو محسوس ہوگا کہ گویا ساری مصیبت محض مفروضہ تھی۔ ایک بار دو موٹریں بری طرح آپس میں ٹکرا گئیں ڈرائیور بچ گئے، خوب گرما گرمی ہوئی نوبت ہاتھا پائی تک پہونچنے والی تھی کہ قریب ہی واقع ورکشاپ کا منیجر آ گیا اور لڑتے ہوئے ڈرائیوروں سے مخاطب ہوا۔

"دھات کے ان دو ڈھانچوں کے ذرا سا ٹیڑھا ہو جانے پر اتنا شور و غل کیوں مچا رہے ہو، میں ان ڈھانچوں کو ابھی ٹھیک کروائے دیتا ہوں" ورکشاپ منیجر کی ان باتوں نے ان کے سامنے حادثے کا خوشگوار پہلو اجاگر کر دیا، پل بھر میں ساری رنجش جاتی رہی۔ دونوں ڈرائیور قہقہے لگانے لگے۔ انسانی زندگی بھی اس قسم کے گوناں گوں حادثات سے مرکب ہے کوشش کریں تو آپ کو ان کا کوئی نہ کوئی خوشگوار اور روشن پہلو بھی ضرور نظر آئے گا۔

"اپنے مصائب اور تکالیف سے کبھی دل لگانے کی کوشش نہ کریں" یہ آخری بات مضبوطی سے پلے باندھ لیجئے۔ ماہرین نفسیات کا کہنا ہے، تکلیف یا مصیبت اکثر انسان کو ایک دیگر قسم کی اہمیت کا احساس عطا کر دیتی ہے یہ کسی بھی شکستہ انا کی تسکین کے لئے خاصا سکون بخش ثابت ہوتا ہے، اس لئے حتی الوسع ایسی صورت حال سے بچنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ ہر وقت مصائب کو اپنے اعصاب پر سوار کر کے ان سے ذہنی حظ حاصل کرنے سے انسان کی صلاحیتیں ناکارہ اور زنگ آلود ہو جاتی ہیں اور اس میں مصائب کے مقابلے میں ثابت قدم رہنے کی تمام خواہشیں اور آرزوئیں دم توڑ دیتی ہیں۔ یقین جانئے ہمہ وقت اپنے آپ سے ہمدردی اور مصائب پر افسوس کرتے رہنے والے لوگ نہ صرف اپنے خاندان بلکہ سارے معاشرے پر بوجھ ثابت ہوتے ہیں۔

ولیم جیمز نامی ایک مشہور ماہر نفسیات نے ایک بار کہا تھا عقلمندی کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ انسان کو اس بات کا بخوبی علم ہو کہ ہنگامی حالات میں کونسی شے نظر انداز کرنے کے قابل ہے اور کس چیز کو سنبھال کر رکھنے کی ضرورت ہے۔ اس مقولے کی صداقت کو آپ اپنی تکالیف اور مصائب کے بارے میں آزما کر کیوں نہ دیکھیں۔؟

بقیہ مولانا ابو الخیر برق

تلعہ بھر دیا ہے۔ برق صاحب ہی کو انعام ملا۔ ایک مشاعرہ میں گئے اس میں بھی انعام ملا اس کا ایک ہی شعر یاد ہے ؎

دل کے لئے ہے آپ کی گل صد ہزار گل
لیکن کہیں وہ دل بھی تو پیدا کرے کوئی

۸ر جون ۱۹۷۱ء کو لکھنؤ میں ۸۰ سال عمر پاکر وفات پا گئے۔

جنوبی ہند کی چند عجیب و غریب رسمیں

(ڈاکٹر سید احتشام احمد ندوی ایم اے، پی ایچ ڈی، ریڈر شعبۂ عربی ونکٹیشور یونیورسٹی آندھرا)

جب سے جنوبی ہند میں قیام کا موقع ملا ہے یہاں کے ماحول، سماج اور زندگی کے مختلف پہلوؤں میں ایسے امور مشاہدے میں آتے ہیں جو ہم شمالی ہند والوں کے لئے باعث تعجب ہیں۔

جنوب میں نام کے ساتھ کوئی انگریزی حرف ضرور ہوتا ہے مثلاً پی۔ عبدالوحید یا جی۔ رحمت اللہ۔ کے۔ سراج الدین یہاں ہندوؤں اور مسلمانوں میں یہ عام رواج ہے ایک صاحب اپنے نام کی ابتدا میں ایم لکھتے تھے میں نے اس کا مطلب دریافت کیا تو انھوں نے بتایا کہ میرے والد خطیب ہیں اس لئے ایم لکھتا ہوں۔ دوسرا اہم رواج جو بہت عام ہے یہ ہے کہ جس شہر یا گاؤں میں آدمی پیدا ہو وہ اس کے نام کا پہلا جزو قرار پائے چنانچہ ہندوستان کے سابق صدر جمہوریہ ایس۔ رادھا کرشنن کے نام میں ایس۔ کا مطلب ہے "سروپلی" سروپلی وہ جگہ ہے جہاں ترونی میں وہ پیدا ہوئے تھے۔ ایک صاحب "ڈی" لکھتے تھے دریافت کرنے پر انھوں نے بتایا کہ ڈی سے مراد دیلور ہے اس لئے کہ وہ ضلع ارکاٹ کے شہر دیلور میں پیدا ہوئے تھے۔

جنوبی ہند میں دوسری عجیب و غریب رسم یہ ہے کہ ہندو اپنی حقیقی بہن کی لڑکی سے شادی ضروری تصور کرتے ہیں اور اپنا حق سمجھتے ہیں یعنی حقیقی بھانجی کی شادی حقیقی ماموں سے ہو جاتی ہے۔ شمالی ہند میں ہندو آپس میں شادیاں نہیں کرتے مگر یہاں یہ رشتہ بہت عام ہے اور اکثر لڑکیاں اپنے حقیقی ماموں کی بیویاں ہیں مگر خالہ زاد بہن، چچا زاد بہن اور پھوپھی کی لڑکی سے شادی غیر مسلموں میں ناجائز ہے۔

یہاں مسلمانوں میں شادی کے موقع پر "جوڑے" کی رقم کے نام سے لڑکی کے والدین سے باقاعدہ مول بھاؤ کر کے ان کی طاقت سے زیادہ پیسے وصول کئے جاتے ہیں جس سے سوسائٹی میں بڑا تکلیف دہ منظر پیدا ہوتا ہے اگر کسی کو خدا نے ۳-۴ بیٹیاں دی ہیں تو وہ ان کو دیکھ دیکھ کر سوکھتا رہتا ہے۔ یہ غیر اسلامی رسم غیر مسلموں سے آئی ہے۔ عجیب بات یہ ہے کہ وہ مذہب جس میں لڑکیوں کا حصہ مقرر ہے جس میں مہر کی ایک رقم عورتوں کو ملتی ہے اس کے ماننے والے بھی جنوب میں (سوا کیرالا کے) اس تکلیف دہ اور مخالف اسلام رسم میں مبتلا ہیں۔ بلکہ ایک بار ایک حیدر آبادی صاحب سے اس کا ذکر آیا تو وہ اس کی خوبیاں بیان کرنے لگے کہ یہ بڑی عمدہ رسم ہے لڑکوں کو خوب پیسے مل جاتے ہیں ان کی حیثیت ٹھیک ہو جاتی ہے۔ بنا لے اگر کسی کے صرف ۸، ۱۰ لڑکیاں ہوں اور اس کی مالی حالت ٹھیک نہ ہو تو وہ کیا کرے۔ ایک صاحب نے اپنے ایک دوست کا واقعہ بتایا کہ وہ بیچارے داماد کے غیر معمولی مطالبات سے تنگ آکر کنوئیں میں کود گئے۔ یہاں شادیوں میں محض روپے ہی طے نہیں کئے جاتے بلکہ سونے کی مقدار اور جہیز کے سامان کی تفاصیل بھی مول بھاؤ سے طے ہوتی ہیں۔ لڑکے صرف روپیہ دیکھتے ہیں تعلیم شکل و صورت اور تہذیب کسی امر کا خیال نہیں کرتے۔ دسواں پاس، بی۔ اے۔ ایم۔ اے۔ ڈاکٹر انجینیر سب کی رقمیں مقرر ہیں ۵ ہزار سے لے کر ایک لاکھ تک۔ اللہ نے اپنے رسول کو اس لئے بھیجا تھا تاکہ رسم و رواج کے ان بندھنوں کو کاٹ دیں جو لوگوں کی گردنوں کو اپنے پھندے میں لئے ہیں خدا معلوم کب یہاں کے مسلمانوں کو اس کا ہوش آئے گا۔ میں نے کئی مواقع پر صاف کہا کہ لڑکیوں کو دینے میں تو مجبوری ہے مگر لڑکے والوں کو کیا مجبوری ہے وہ اعلان کر دیں کہ ہم ایسی منحوس رقم نہیں لیں گے جو اسلامی روح کی مخالف ہے۔

یہاں کے ہندوؤں میں چوٹی کا رواج بالکل نہیں۔ سر منڈاتے ہیں تو بالکل مسلمانوں کی طرح صاف کر دیتے ہیں۔ برہمنوں میں جو مذہبی ہیں وہ آدھا سر پیشانی سے متصل حصہ منڈاتے ہیں نصف آخر میں پورے بال چھوڑ کر چوٹی باندھ دیتے ہیں مگر عام لوگ انگریزی بال رکھاتے ہیں۔

یہاں ایک اور چیز دلچسپ ہے کہ عورتیں بال منڈاتی ہیں۔ ہندوؤں میں یہ رواج ہے کہ جس شخص کی مراد پوری ہو جائے وہ ترپتی میں پہاڑ کے اوپر مندر میں جا کر اپنے بال منڈاتا ہے خواہ وہ مرد ہو یا عورت۔ ان بالوں سے حکومت ہند کو کئی لاکھ سالانہ زر مبادلہ (FOREINGN EXCHANGE) ملتا ہے جن لوگوں کے سر صاف ہو جاتے ہیں ان کے لئے وِگ بھی یہاں بنتے ہیں۔ سر منڈی عورتوں کی یہاں کثرت ہے۔

ان علاقوں میں ہندو انڈے و مرغی سے مطلق پرہیز نہیں کرتے اکثر ہندوؤں کے یہاں مرغیاں پلی ہیں۔ اسی طرح یہاں چھوت چھات کا رواج غیر برہمنوں میں بالکل نہیں۔ برہمن چونکہ بہت قلیل تعداد

غزل

قمر سنبھلی

ایک شے سب سے الگ سب سے جدا مانگے ہے
حسنِ خود بیں سے وفاؤں کا صلا مانگے ہے
کچھ نوازش نہ عنایت نہ وفا مانگے ہے
کیا اسے اور کوئی تازہ ستم یاد آیا؟؟
دردِ دل، سوزِ جگر، زخمِ تمنا تو ملے
جبہہ سائی کے لئے در کوئی جچتا ہی نہیں

دل مرا آپ کے ہاتھوں سے سزا مانگے ہے
ہائے دل بھی ترا نادان ہے کیا مانگے ہے
تیرا دیوانہ تو دل میں ترے جا مانگے ہے
کیوں یہ دنیا سے جینے کی دعا مانگے ہے
دلِ بیتاب کچھ اس سے بھی سوا مانگے ہے
سر مرا آپ کا نقشِ کفِ پا مانگے ہے

قمرِ غمزدہ طالب ہے سکونِ دل کا
سادگی دیکھئے اس دور میں کیا مانگے ہے

(بشکریہ آل انڈیا ریڈیو اردو مجلس)

میں ہیں اسلئے سوسائٹی میں چھوت چھات برائے نام ہے اس بنا پر خود ترویچی میں مسلم ہوٹل بہت سے ہیں اور خوب چلتے ہیں ورنہ مسلم آبادی صرف ۳ یا ۴ ہزار ہوگی حتیٰ کہ یونیورسٹی میں ہوٹل چلانے والا بھی مسلمان ہے۔

یہاں ناشتہ میں اڈلی اور دوسہ کھاتے ہیں یہ دونوں کھانے چاول اور ماش کی دال سے تیار کئے جاتے ہیں اور ناشتے کے کام آتے ہیں۔ ناشتے میں پوریاں اور پراٹھے کا یہاں رواج نہیں۔ ناشتے میں گیلی چیزیں یہاں بھی تیار کی جاتی ہیں جن کو سالن سے ناشتے میں کھاتے ہیں اسی طرح سوجی سے ایک نمکین چیز بنا تے ہیں اور نمکین سوئیاں تیار کرتے ہیں۔ چونکہ چاول اصل غذا ہے اس لئے مٹھائی کا رواج بہت کم ہے۔ ایک صاحب مجھ سے کہنے لگے کہ آپ کے یہاں شمال میں ناشتے کی چیزیں نہیں رہتیں وہی روغنی روٹیاں ناشتے میں اور وہی کھانے میں۔ اڈلی چاول پیس کر بھاپ میں پکائی جاتی ہے یہ کاروبار عورتیں کرتی ہیں اس لئے یہاں بہت سے گھروں میں ذریعہ آمدنی عورتوں کی کمائی ہے جو رات رہے اٹھ کر اڈلیاں تیار کرتی ہیں اور ہوٹلوں یا چوراہوں پر فروخت کر دیتی ہیں۔

یہاں دعوت میں یہ رسم ہے کہ پہلے سے آنے والے کو گیندے کا پھول اور چنبیلیاں باندھ کر دیتے ہیں یہ چنبیلیاں میں نے شمال میں کبھی نہیں دیکھی تھیں یہ نہایت خوشبودار ہوتی ہیں اور لوگ سونگھتے ہیں جلسہ کے شروع میں دروازہ پر ایک آدمی ایک طشت میں یہ پھول و پتی ہر شرکت کرنے والے کی نذر کرتے تھے۔

دعوت کی ایک رسم بالکل عجیب ہے وہ یہ کہ لوگ کھاتے کم ہیں اور پھل ہاتھ میں لے کر اپنے گھر اٹھا لیجاتے ہیں جیسے ایک ساتھی نے بتایا کہ جب یہاں آئے تو انھوں نے چند اہم اور معزز اشخاص کی دعوت کی اور پھل بہت اچھے قسم کے مدراس سے منگائے اور اس خیال سے کہ جس کو جتنی ضرورت ہوگی وہ کھالے گا سارے پھل دعوت میں رکھ دیئے لوگوں نے کھانا کھایا پھر سب نے کافی مقدار میں پھل اٹھا لئے اور لے کر چلدیئے۔ اب بھی بارہا میں نے بھی دیکھا کہ سیب کوئی نہیں کھاتا بلکہ اس کو لے کر گھر چلے جاتے ہیں۔

یہاں صبح کو ایک عجیب منظر دکھائی دیتا ہے عورتیں صبح ہوتے ہی دروازوں پر پانی چھڑکتی ہیں اور گوبر گھول کر پانی سے دروازہ صاف کرتی ہیں پھر اس پر آٹے سے یا کھریا کے برادے سے نقشے بناتی ہیں اس قدر جلد بناتی ہیں کہ جیسے کوئی ٹھپہ لگا ہو ساری سڑک چھپ جاتی ہے۔ یہ مذہبی رسم ہے اور اس کو ہندو باعث برکت تصور کرتے ہیں۔ مسلمان صرف پانی ڈالنے پر اکتفا کرتے ہیں۔ اصطلاح میں اس کو "کولم" کہتے ہیں۔

یہاں کی سوشل زندگی بڑی خراب ہے۔ ملنے جلنے کا رواج نہیں، عید گاہ کے علاوہ گھر ملنے کوئی نہیں جاتا۔ اگر کسی سے ملنے جاتے بھی تو وہ باہر ہی نکل کر کچھ بات کر کے کہتا ہے کہ اچھا اب آپ کو دیر ہو رہی ہو گی۔ یہ بھی نہیں کہتا کہ بیٹھیے یا چائے پیجئے۔ شام کو پارکوں میں بیٹھنا، تفریح کرنا، اور ٹہلنا لوگوں کو معلوم نہیں سب اپنے اپنے گھروں میں رہتے ہیں اس لئے یہاں مہمان کم آتے ہیں اور اگر آتے ہیں تو عزیز ہوتے ہوئے بھی ہوٹلوں میں ٹھہرتے ہیں۔ اسی بنا پر معمولی قصبوں میں بھی کئی کئی ہوٹل چل جاتے ہیں۔ ویسے کچھ ایسے بھی ہیں کہ جایئے تو محبت سے ملتے ہیں اور بٹھاتے ہیں مگر ملنے کا رواج عام نہیں ہے۔

یہاں دعوتوں میں مٹھائی پہلے کھاتے ہیں نمکین بعد میں۔ کھانا ناشتہ سب نہایت لیٹ کرنے کا رواج ہے جب میں شروع میں آیا تو ایک صاحب نے مجھ سے کہا کہ وہ چاول کا "ٹانک" بناتے ہیں اور روز پیتے ہیں میں نے خواہش کی کہ مجھے بھی دکھایئے اور طریقہ بتایئے کہ کس طرح چاول سے ٹانک بنتا ہے۔ ایک صبح کو وہ مجھے اپنے گھر لے گئے اور وہ ٹانک دکھایا میں دیکھ کر متعجب رہ گیا۔ سادے چاول میں پانی پڑا ہوا تھا انھوں نے پانی نکال کر پی لیا اور چاول روکھے کھا لئے اور فرمایا کہ یہ بڑا مقوی ہوتا ہے۔ بعد میں معلوم ہوا کہ یہاں رواج ہے اس کو یہ لوگ مقوی تصور کرتے ہیں مگر اصل وجہ اس کی شاید ٹھنڈائی ہے۔ یہ لوگ چاول کو پکا کر اس کی پیچ نکال دیتے ہیں اور دھو کر دوبارہ پانی ڈالتے ہیں اس لئے اس میں یوں کیا باقی بچتا ہے پھر اس کا ٹانک کیا ہوتا ہے یہاں نفسیاتی اثر جو کچھ کہیے۔

ہمارے یہاں رمضان میں روزہ کھلوانے کا رواج ہے مگر یہاں اس کے بجائے سحری کھلائی جاتی ہے اور لوگ اسی پر بلاتے ہیں ہائے رات کو کون کس کے یہاں جائے ۔؟

لباس یہاں سب کا اسلامی ہے یعنی سب تہبند باندھتے ہیں اور ضرورت کے وقت اور کبھی بلا ضرورت گھٹنے تک چڑھا لیتے ہیں لباس کو دیکھ کر ہندو مسلمان کی شناخت یہاں مشکل ہے عورتیں بھی سب ساڑیاں پہنتی ہیں اور لڑکیاں لہنگے۔ برہمن یا بعض مذہبی دھوتی بھی باندھتے ہیں مگر شاذ و نادر ایسے لوگ ملیں گے۔

ایک بات یہاں مجھے عجیب نظر آئی کہ مرد خود غسل نہیں کرتے۔ ان کو عورتیں نہلاتی ہیں۔ ایک بار سڑک پر ایک عورت ایک مرد پر پانی ڈال رہی تھی میں نے ایک ساتھی سے دریافت کیا اور بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ یہاں یہ عورتوں کی خاص ڈیوٹی ہے کہ شوہروں کو نہلائیں۔ ٹھنڈے پانی سے یہاں مئی جون میں بھی کوئی نہیں نہاتا ہمیشہ گرم پانی بلکہ جلتا ہوا۔

یہاں بازاروں میں کتھا اور ڈلی نہیں ملتی اور نہ کتھا پان میں پڑتا ہے بلکہ چکنی ڈلی کا رواج ہے جس سے منہ لال نہیں ہوتا۔ دوسری چیز قابل لحاظ ہے وہ یہ کہ یہاں سبز پتے استعمال نہیں ہوتا بہت کم برف دیکھنے میں آتا ہے۔ شمالی ہند میں گرمیوں میں بغیر برف کے پانی پینا محال ہے مگر یہاں یہ عالم ہے کہ بازار میں برف کی کوئی دوکان نہیں۔ یونیورسٹی میں ڈاکٹر رہے نہ کہ برف۔ ایک بار دوران گفتگو مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ العالی نے فرمایا کہ ان کی مدراس میں کسی بڑے تاجر نے دعوت کی مگر پینے کے لئے سادہ پانی پیش کیا مگر وہ بغیر برف کے پانی پیتے نہیں بلکہ اکثر برف ہی پیتے ہیں تاجر نے بازار آدمی دوڑایا مگر اس وقت برف نہ مل سکی۔ اس پر مولانا نے فرمایا کہ جنوب میں زندگی ہے مگر لطف زندگی نہیں بمقصد بنا کر برف کی تلاش کی مل جائے یا اس کے کارخانہ آدمی جاتے تب ہی برف مل سکتی ہے۔

یہاں گھروں میں صحن نہیں ہوتے صرف کمرے ہوتے ہیں اور ہر کمرہ کا دروازہ دوسرے کمرے کے سامنے ہوتا ہے تاکہ ہوا جا سکے اس طرح اگر سارے دروازے کھول دیئے جائیں تو اگلے دروازے سے پچھلا دروازہ آر پار نظر آتا ہے اور درمیانی حصہ بھی عجیب لمبے سرنگ نما ٹیپ کے گھر ہوتے ہیں اور ذرا سی جگہ میں بن جاتے ہیں۔

یہاں تصویر کا بڑا رواج ہے اسلام نے تصویر کی جو مخالفت کی ہے اس کی وجہ یہاں آکر سمجھ میں آئی کہ ہندوؤں میں مورتیاں مدار دہیں بلکہ فوٹو کی ہوئی وشنو کی شکل ٹنگی رہتی ہے ہر گھر میں وشنو کا فوٹو ہے ہر دوکان میں ہر بس پر حتیٰ کہ انگوٹھی کے نگ میں وشنو کا فوٹو نصب ہے۔ یہاں فوٹو ہی پوجتے ہیں۔

بارکین کا پہننے کا رواج یہاں کم ہے لوگ خوب صاف ستھرا رہتے ہیں حتیٰ کہ مزدور بھی برقابرق پہنتے ہیں۔ گھروں کو خوب سجاتے ہیں فوٹو سے۔ ٹوپی مزدوروں کی گم ہو گئی تو یہاں ڈھونڈھنے سے نہ ملے گی۔ انگریزی کا رواج عام ہے ہر پڑھا لکھا انگریزی ہی میں بولتا ہے کسی سے انگریزی بولنا کوئی اجنبیت نہیں رکھتی اسی بنا پر اکثر لوگ مجھ سے بات کرتے کرتے انگریزی بولنے لگتے ہیں تب مجھے کہنا پڑتا ہے کہ جب انگریزی بولئے گا تو گفتگو میں اظہار ما فی الضمیر سے قاصر ہوں۔

یہاں عبادت میں ناریل کو خاص اہمیت حاصل ہے ہر مندر پر ناریل اور شکر کی مصری جس کو پرساد

(باقی ص ۱۳ پر)

نفسیات:

مصائب سے گھبرائیے نہیں

رضوان اکبر

زندگی کی کچھ مجبوریاں ہوتی ہیں آپ لاکھ کوشش کریں، انھیں بدل نہیں سکتے، فطرت سے ٹکر لینا فضول اور پھر ناکامی کی صورت میں اس پر کف افسوس ملنا بیکار ہے اگر اس جنگ میں سرخرو ہونا چاہتے ہیں تو سب سے پہلے زندگی سے متعلق ہر قسم کے رنگین فریب اور خوش فہمیاں دل سے نکال دیجئے پھر دیکھئے یہ کشمکش کتنی پر لطف ثابت ہوتی ہے اس صورت میں آپ دیکھیں گے کہ چاہے آپ کی ہار ہو یا جیت آپ دونوں صورتوں میں مطمئن و مسرور رہیں گے۔ کبھی کسی ناگہانی افتاد کا سامنا کرنا بھی پڑے تو حالات پوری طرح آپ کے کنٹرول میں ہوں گے۔

ماہرین نفسیات کا کہنا ہے جو لوگ مصائب اور دکھ درد اور پریشانیوں کے مقابلے میں ثابت قدم رہتے ہیں، وہ اس آزمائش سے کندن بن کر نکلتے ہیں۔ اس مقابلے سے انہیں جو سبق حاصل ہوتا ہے وہ اس کی روشنی میں ترقی کی منزلیں طے کرتے، شہرت و عزت کے بلند ترین مناصب حاصل کر لیتے ہیں لیکن بھگوڑے زندگی بھر کے لئے حسرت و یاس کی تصویر بن کر رہ جاتے ہیں۔ ان پر آلام و مصائب کی یورش کبھی تھمنے کا نام نہیں لیتی۔ ربڑ کی گیند کی مثال آپ کے سامنے ہے، ایک اچھی گیند کو آپ جتنے زور سے زمین پر پٹخیں گے، وہ اتنی ہی شدت اور قوت کے ساتھ اوپر بلند ہوگی اسی طرح موٹر کار کے "ٹائر" کو لیجیے، اونچے نیچے، ناہموار راستوں پر چلتے ہوئے اسے کتنے ہی دھچکے اسے برداشت کرنا پڑتے ہیں لیکن کیا مجال جو گاڑی میں بیٹھے ہوئے شخص کو ان جھٹکوں کی شدت کا اندازہ ہو جائے۔ ان دونوں مثالوں میں آپ کے لئے ایک واضح پیغام موجود ہے۔ ٹائر کی مانند ناموافق اور ناہموار حادثوں اور آلام کو اس طرح اپنے اندر جذب کرنے کی خاصیت پیدا کرنے کی کوشش کیجئے کہ منزل کھوٹی نہ ہو، زندگی کی تلخیاں اور دکھ درد جتنی شدت سے آپ پر کوئی

چوٹ لگائیں، اچھی گیند کی مانند ہمیشہ ابھرتے اور آگے بڑھنے کی کوشش کریں۔

آپ کو بخوبی علم ہے، زندگی میں کسی وقت بھی آپ کسی ناگہانی افتاد کا شکار ہو سکتے ہیں لیکن اس کے مقابلے کے لئے آپ عملی طور پر کیا پیش بندی کرتے ہیں

یقیناً کچھ نہیں — یہی وجہ ہے جب کبھی کوئی مصیبت ہمارے دروازوں پر دستک دینے لگتی ہے، ہم میں سے اکثر بدحواس ہو جاتے ہیں، انھیں کچھ پتہ نہیں چلتا کہ اس

بن جائے نہاں، کا کس طرح استقبال کریں یہی قسم کی صورت حال کا سامنا کرنے کے لئے اگر انسان پہلے سے ذہنی طور پر تیار رہے تو پھر کسی زیادہ اہتمام یا تردد کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

بعض لوگ کسی ایسے طلسمی تعویذ کی

تلاش میں سرگرداں نظر آتے ہیں جو ہر قسم کے دکھ درد، مصیبت اور پریشانی کو دور کرنے کے لئے تیر بہدف ثابت ہو یقین جانئے دنیا میں اس قسم کی کسی شے کا وجود نہیں ہے۔

تاہم دنیا کے مختلف ماہرین نفسیات نے بے شمار عملی تجربوں کے بعد چند ایسے اصول ضرور وضع کئے ہیں جن پر عمل پیرا ہو کر ہر شخص بڑی خوش اسلوبی سے ہر قسم کے دنیاوی مصائب و آلام کا مردانہ وار مقابلہ کر سکتا ہے۔

"اپنے اندر کے مصائب کا سامنا کرنے کی جرأت پیدا کیجئے" مصائب کے مقابلے میں عملی تربیت کا سب سے پہلا اصول ہے۔ یاد رکھیے چادر تان کر لیٹ جانا یا یہ امید کرنا کہ آپ کا خود بخود حل ہو جائے گا، کسی طرح دانشمندانہ اقدام نہیں ہے۔ دل و دماغ کے ساتھ اپنی مصیبت اور اس کی موجودگی کا اعتراف کریں۔ مصائب سے آنکھیں چرانے کی عادت پیدا کریں۔ اس کی شدت کا اندازہ کرنے کے لئے اس کے ایک ایک پہلو کا بخوبی جائزہ لیں۔ آپ دیکھیں گے جو مصیبت بظاہر بڑی لگتی تھی اور ناقابل برداشت معلوم ہوتی تھی حقیقت میں بہت معمولی ہے۔

دوسرا اصول یہ ہے کہ اپنی ذات اور صلاحیتوں کا تنقیدی جائزہ لیجئے۔ ایسا کرنا اس لحاظ سے ضروری ہے کہ اکثر لوگ محض اپنی کمزور شخصیت کی وجہ سے ہمیشہ مصائب میں گھرے رہتے ہیں۔ ایک ماہر نفسیات کا کہنا ہے میں نے بیشمار ایسے افراد دیکھے ہیں جن کے اعصاب پر مسلسل دباؤ، اصولوں سے انحراف کا شدید احساس رہتا ہے۔ اس کے نتیجہ میں ان کی قوت فیصلہ کمزور ہو گئی تھی وہ اپنی صلاحیتوں سے کماحقہ فائدہ اٹھانے سے قاصر تھے۔

تیسرا اصول عمل سے متعلق ہے۔ یہ اصول سادہ ہے لیکن اس پر عمل اتنا ہی مشکل ہے۔ انسان جب کسی چیز کے بارے میں مکمل جائزہ لینے کے بعد عمل کا ارادہ کر لیتا ہے تو جانیے اس کی بیشتر مشکلات و مصیبتیں اسی وقت دم توڑ دیتی ہیں۔ عمل انسان میں خود اعتمادی پیدا کرنے کا سب سے بڑا اور موثر ذریعہ ہے اس کے برعکس بے عملی اور کاہلی کا مظاہرہ لازمی طور پر ...

(باقی ص ۔۔ پر)

اوّل سے آخر تک

سید شرافت علی ندوی ناظم مدرسہ مصباح العلوم سارنگ پور (ایم۔پی)

چمکتے ہیں مثل آفتاب اول سے آخر تک
جو لاتے ہیں ہمیشہ انقلاب اول سے آخر تک

تصویر کے محل تعمیر بھی کر لوں تو لاحاصل!
ہو میری زندگی مثل حباب اول سے آخر تک

میں اپنی زندگی کو کب سمجھتا ہوں کہ ہے "اپنی"
یہ سب انکے لئے ہے بے حساب اول سے آخر تک

انہیں درد محبت سے بہت آوازیں دی میں نے
نہیں آیا مگر ان کا جواب اول سے آخر تک

خدا کا شکر ہو راہ محبت کی عطا اس نے
وگرنہ پھر مسلسل تھا عذاب اول سے آخر تک

ارے ناداں کچھ اپنی زندگی کی بھی خبر رکھنا
لیا جائیگا تجھ سے سب حساب اول سے آخر تک

ہمیشہ حرز جاں سمجھا محبت کو شرافت نے
رہا لیکن وہی خانہ خراب اول سے آخر تک

ضرار بن الازور

ایک صحابی . ایک مجاہد . ایک شہید

تحریر :- احمد الشرباصی
ترجمہ :- محمد سلمان

مجاہدین اسلام میں ایک مجاہد، ایک شہید ضرار بن الازور بھی ہیں جو ایک اسلامی ہیرو ہیں، اسلامی سردار، قائد اور کمانڈر کا درجہ رکھتے ہیں۔ جاہلیت میں جنگجو تھے۔ اسلام میں آکر یہ صفت نکھری اور حق کے لئے وقف ہوگئی بلکہ یہ اس خاندان کے جانباز کھلاڑی ہیں جہاں معرکے کھیل تھے جنگیں محبوب۔ ان کے والد بھی اسی میدان خون آشام کے ایک جانباز سپاہی تھے یہ بھی اسی میدان جنگ و جہاد کے ایک جانباز کھلاڑی تھے۔

ضرار شاعر بھی تھے۔ ان کی شاعری، ان کی شہسواری و جنگجوئی کی ترجمان ہے سیف اللہ خالد بن ولیدؓ جاہلیت کے جنگ آزما، اسلامی قائد انکی ان الفاظ میں تعریف کرتے ہیں۔

"مجھے ایک ہی ایسا ملا ہے جسے موت سے بالکل خوف نہ ہو۔ لقاء خداوندی کے اشتیاق میں جان فروشی و جانبازی کے کھیل دکھائے۔ وہ شخص ضرار بن الازور ہے۔"

مسلمانوں اور رومیوں میں میدان کارزار گرم تھا اور اجنادین کے نزدیک دونوں فوجیں نبرد آزما تھیں حضرت خالد بھی دوسرے معرکوں کو سر کرنے میں مشغول تھے۔ اس معرکہ کے لئے اگر کسی قائد کا انتخاب خالد کی سمجھ میں آیا تو وہ ضرار تھے۔

ضرار سے انھوں نے کہا میں چاہتا ہوں کہ آپ کے ساتھ پانچ ہزار سپاہیوں کو کر دوں جنھوں نے اپنی جانوں کا سودا خدا سے کر لیا ہے

ضرار فرط شوق میں فوراً جانے لگے، کہنے لگے میں تو چلا، میں اکیلا ہی جاتا ہوں، حضرت خالد نے روکا لیکن وہ جانفروش وہ بیع کرکے آیا تھا جس میں ایک ہی مجلس میں بیع کی سپردگی ہو، شہادت کے شوق نے یہ بھلا دیا کہ ایک جان کیا کرے گی سہ

لذت عشق سے بھول گیا درد غم عاشقی

دل بھی دیا، مال دیا، تن بھی دیا جان بھی دی

میدان جنگ و قتال کی طرف چل پڑے اور کہتے گئے "جس کو بھی شہادت میں خیر نظر آئے وہ میرے ساتھ آئے "از دل خیزد بر دل ریزد" اس کلمہ میں بلا کی تاثیر تھی! عجب مقناطیسی کیفیت تھی کہ مجاہدوں کا لشکر پیچھے دوڑ پڑا اور ان کو ایک مقام پر پا لیا ..... لیکن جب لشکر اسلام نے لشکر اعداء کی کثرت دیکھی تو بعضوں کا ارادہ متزلزل ہونے لگا۔ مگر ضرار جیسا جانباز اور ان کے جیسا قائد ہو وہاں کون پیٹھ پھیرے۔ فوجوں کا دار و مدار امیر کی صلاحیت و قوت پر ہوتا ہے۔ وہ اس زمرے آشا تھے صفوں کو چیرتے ہوئے گھس گئے اور بلند بانگ کہہ رہے تھے "خدا کی قسم آج شمشیر کو شمشیر کاری بنا کر رہوں گا، آخر دم تک لڑوں گا، نہ پیٹھ پھیروں گا نہ ہزیمت اٹھاؤں گا۔ آج بیٹیوں جادر کسی معرکہ کی گرمی دیکھنے کو مشتاق ہے۔"

عجز و نیاز کے الفاظ بھی دہراتے تھے اور حکم خدا "واتبع من اناب الی اللہ" کی پیروی بھی کرتے تھے "ربنا علیک توکلنا والیک انبنا والیک المصیر" یہ کلمات جہاں ورد زبان تھے وہ بروئے کار بھی لائے جا رہے تھے۔ اور جب دعوی پیٹھ پھیرنے کا کرتے تھے تو یہ بھی پڑھتے تھے "یا ایہا الذین امنوا اذا لقیتم الذین کفروا زحفاً فلا تولوہم الادبار۔" یہ کلمات بھی گوش گذار میں ورد زبان تھے کہ ایک خدا کی راہ کا سپاہی رافع بن عمیرۃ الطائی آگے بڑھا۔ پھر تو مجاہدین کی جماعت، حق و باطل کی وضاحت کے لئے قدم بڑھانے لگی۔ قائد جیش ضرار نے بھی سمجھ لیا کہ کلمۂ خدا کی جانب سے آئی ایک فرد لگایا، تکبیر کی صدائیں گونجنے لگیں، حق کے آوازے بلند ہونے لگے، اب جانبازوں نے بازوؤں کے خوب طریقے دکھائے اور احدی الحسنیین یا تو شہادت یا کامرانی حاصل کرنے کی کوشش کرنے لگے اور یہ کہنے کے مستحق ہوئے

یا عابد الحرمین لو ابصرتنا

لعلمت انک فی العبادۃ تلعب

او مسجد کے تسبیح پڑھنے والے اور خانقاہ کے گوشہ میں نفل ادا کرنے والے اگر تو ہم مجاہدین کو دیکھے، ہمارے گھوڑوں کی ٹاپیں، ہماری شمشیروں کی آب و تاب پر نظر کرے تو عیاں ہو جائے کہ تو تسبیح کے دانوں سے کھیل رہا ہے۔ سجادہ کی گرمی و نرمی سے لطف اندوز ہوتا ہے۔"

ضرار نے آج تہیہ کر لیا تھا کہ رومی سپہ سالار کو خود موت کے گھاٹ اتارنا ہے۔ چاہے ان کے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے جائیں۔ اب دیکھئے منظر خود ضرار کو چلدیئے اور دل میں شہادت آیت قرآن "ان اللہ یحب الذین یقاتلون فی سبیلہ صفاً کانھم بنیان مرصوص" سے پیدا کرنے لگے۔ اور اب روحانی شاعری سے قوت ایمانی کو جوش دلانے لگے۔ پڑھتے تھے اور لڑتے تھے سہ

الموت حق این لی منہ المفر

موت کا ایک دن معین ہے موت سے فرار نہیں

وجنۃ الفردوس خیر المستقر

اور جنت الفردوس سب سے بہتر مستقر ہے

ھذا قتالی فاشھدوا یا من حضر

یہ میری موت ہے یا دوسرا میرے ہاتھ سے موت کا مزہ چکھے گا۔ اے حاضرین جنگ آج اس حقیر کی سیف و سنان کا بھی نظارہ کرو۔

کل ھذا فی رضا رب البشر

ریا نہیں، عصبیت نہیں، شجاعت کے جوہر دکھانے کے لئے نہیں، ان کے پروردگار اور ہمارے پروردگار کی رضا اسی میں ہے۔ اس بطل مجاہد اور اسلامی ہیرو کا جوش بڑھتا جا رہا تھا۔ قوت ایمانی باطل پرستوں کی گردن مروڑتی ہوئی ضرار کو رومی قائد تک لائی۔ یہی مقصد تھا۔ یہی آرزو لے کر چلے تھے اب سہ

اکر علی الکتیبۃ لا ابالی

أفیہا کان حتفی أم سواھا

دریں دریائے بے پایاں دریں طوفان موج افزا

دل افگندیم بسم اللہ مجریہا و مرسٰہا

آرزو بر آئی، بڑھے اور ــــــ سپہ سالار رومی کو نیزہ کا گھاؤ دیا ان اشعار کی تاثیر میں بجھا ہوا نیزہ سینہ چیرتا ہوا پیٹھ کی راہ نکل گیا لیکن نیزہ کا کچھ حصہ جسم ہی میں رہ گیا، مجاہد پھر بڑھا تاکہ نیزہ نکال لے بس فوراً ساری کی ساری فوج اکیلی جان پر ٹوٹ پڑی اور اسیر کر لیا۔

اب مسلمانوں میں ہراسانی پھیلنے لگی لیکن جیش اسلامی قانون کچھ نرالا ہے کہ یہاں ہر شخص جندی اور ہر شخص قائد ہوتا ہے۔ ضرار نہیں تو کیا رافع بن عمیرۃ الطائی نے آواز بلند کی رافع نے للکارا "اے قرآن والو کیا تمھیں خبر نہیں کہ جس نے دشمن کے مقابلے میں پیٹھ پھیری وہ خدا کا محل غضب بنا۔ خبردار کان کھول کر سن لو جنت کے دروازے مجاہدین ہی کے لئے ہیں ضبط نفس، ضبط نفس، صبر! اے مجاہدو صبر جنت خدا کے سپاہیو! جنت اے قرآن والو! اے وہ جنھوں نے کتاب اللہ سے علم سیکھا ایک بار پھر لوٹو اور ان کفار و مشرکین کے منھ توڑ دو، باطل پرستوں اور وحشت کے پرستاروں کی کمریں توڑ دو، ان کو لپا کر دو، ان کے غرور و فخر کو مٹی میں ملا دو"

باقی صہ ۱۳ پر

ضرار بن الازور (بقیہ)

میں آگے بڑھتا ہوں۔ اگر تمھارا قائد اسیر ہوا تو قدرت کے بھی کرشمے ہیں۔ خدا ہی جو ہے۔ اس کی مدد تمھیں للکار رہی ہے وہ تمھیں ہر آن دیکھتا ہے۔ گویا حضرت ابو بکرؓ کے وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت ــــــ "ایہا الناس من کان یعبد محمداً فان محمداً قد مات ومن کان یعبد اللہ فان اللہ حی لا یموت" کی ترجمانی اپنے الفاظوں میں کر رہے تھے۔ اسلامی فوج کا یہ طرہ امتیاز ہے کہ خدا کے نام پر جب اسے للکارا جاتا ہے تو وہ بے قابو ہو جاتے ہیں پھر نہ جان کی پرواہ کرتے ہیں نہ مال کی۔

منتشر فوج پھر مجتمع ہو گئی اور ایک بار پھر تلواریں تلواروں سے ٹکرائیں اور خون کی پیاسی زمین خون نگلنے لگی۔ یہ دوبارہ کی جنگ ٹکراؤ عمل کا صاف فائدہ کا ظاہر کر رہی ہے کر و فر کے انداز دنیا ہمیشہ دیکھتی آئی تھی آج کچھ نرالے انداز سے دیکھ رہی تھی۔

اسلامی جانباز سورج کی چمک دمک کو اپنی شمشیر و سے خیرہ کر رہے تھے۔ تلواریں آسمان کو بلند ہوتی تھیں زمین تک کاٹتی چلی جاتی تھیں۔ اسی جیش میں ضرار کی ایک ہمشیرہ بھی اسلام کی نصرت اور مسلمانوں کی مدد کی خاطر نکل آئی تھیں۔ اپنے زمانہ کی سب سے زیادہ شجاع اور ہمت مرداں رکھنے والی خاتون تھیں۔

جب میدان جنگ میں انکر کاری حملوں سے کفار کے پرخچے اڑاتیں، لوگ خالد بن ولیدؓ سے رجز کے بارے میں مشہور تھا کہ فتح ان کے ہم رکاب، نصرت ان کے ساتھ، کامرانی ان کی طبیعت ہے۔) تشبیہ دیتے تھے ان کی بہادری اور شجاعت کے تذکرے شام کی فتوحات میں بہت مشہور ہیں۔ شاعرہ تھیں۔ بڑی اثر انگیز اور جذبہ خیز ان کی شاعری تھی۔ ام خولہ تھا اسم با مسمی تھیں۔ ہرن کی سی پھرتیلی چوکڑیاں ان کے کروفر کی تیزیاں تشابہ ہو گئیں تھیں حضرت عثمانؓ کے آخر زمانہ ۳۵ھ میں وفات پائی۔ ضرار کے خاندان کی ایک عورت جب خالد بن ولیدؓ کی ہمسری کر سکتی تھی۔ تو ضرار، مردانگی و جوانگی کے پیکر کیوں نہ خالد کہے جاتے۔

جب خولہؓ کو پتہ چلا کہ بھائی اسیر ہو گئے تو ایک دستہ میں جوان کو چھڑانے کے لئے جا رہا تھا آپ بھی شریک ہو گئیں۔ یہ دستہ ایک دوسرے اسلامی ہیرو، تاریخ اسلام کے شاہکار غزوات کے دفتر کی ایک زریں کتاب رافع بن عمیرۃ الطائی کی قیادت میں چلا اور خود بھی میدان میں اتر پڑیں۔ حق و صداقت کی جنگ کی کتنے ہی مردوں کو پچھاڑا اور ان کو ان کے مردانگی کے دعوے پر شرمایا یہاں تک کہ لوگوں کو شبہ ہونے لگا اور وہ یہ سمجھے کہ قیس قائد بھی ہمارے لشکر میں ہے۔ پہچان نہ سکتے تھے کیونکہ جب وہ چلی تھیں چہرہ چھپا کر چلی تھیں لوگوں نے جب یہ دیکھا تو قسم دلائی کہ اپنا نقاب کھولیں، اب انھوں نے راز فاش کیا اور ایک بار پھر مرد کا سر جھکا دیا بتایا کہ میں خولہ بنت الازور ہوں بھائی کی قید کی خبر سنی، اپنے گھوڑے پر کس پر بیٹھی، شمشیر بکف ہوئی "کہ دین خدا کی نصرت کروں بھائی کو قید سے چھڑا لوں"

آخر کار دستہ ان کو چھڑانے میں کامیاب ہو گیا اور اسلام کی فتح و نصرت کا جھنڈا گاڑ دیا، یہی ضرار ہیں جو یرموک میں بحیثیت ایک قائد ایک ہیرو، ایک مجاہد کے شریک ہوئے اور یہی وہ ذات منبع صفات ہے جس نے جنگ یمامہ میں جان و مال کی قربانی اور فدا نفس کی تابناک مثال پیش کی جنگ ہی میں راہ خدا میں جانثار، فی سبیل اللہ نفس فروش دونوں ٹانگوں کے کٹ جانے کا شکار ہوا۔ لیکن اس بطل زماں اور حریت کے پرستار نے اب بھی جنگ سے دست کشی نہ کی اور خدا کے ہاتھ باقی دونوں ہاتھوں اور بقیہ اعضاء کو فرخت کرنے کے لئے اب بھی مستطاع کوشش جاری رکھی اور سچ یہ ہے کہ جب کسی ذات سے تعلق و شیفتگی اور اس کی راہ میں مرنا جینا قربان کرنے کا شوق پیدا ہو جاتا ہے تو دنیا یہی منظر پیش کیا کرتی ہے

جب افق عالم پر خون کی دھاروں کا عکس ڈال چکے، جب غزوات کے کتب خانوں پر اپنی شہسواری و جانثاری کے نقوش کندہ کرائے، جب اپنی لڑائیت اور جنگ آشنائی سے تمام عالم کو آشنا کر دیا، اسلام کی راہ میں کامرانی و کامگاری کے نمونے پیش کر چکے جب اپنے جوش ایمانی و قوت روحانی کی داستانیں نہیں واقعات مورخین سے لکھوا چکے (یہ مقصد نہیں تھا، نہ پسند کرتے تھے لیکن نتیجہ یہ ہوتا اور ذلک عاجل البشری المومن کا مصداق بنتا تھا) تو معدودہو گئے۔ ان کارناموں کے ساتھ اپنے رب کے سامنے فخر کے مستحق ہوئے اور اس کے قول "انما المومنون الذین امنوا باللہ ورسولہ ثم لم یرتابوا وجاھدوا باموالھم وانفسھم فی سبیل اللہ اولئک ھم الصادقون" کی حقانیت کا مشاہدہ کرنے چلے گئے ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات۔

ھذا کتاب اللہ ینطق بیننا

لیس الشہید بمیت لا یکذب

اللہ تعالیٰ عادل ہے ان کو جزا دے گا اور معطی و منعم بھی ہے خوب خوب دیگا، ہم سب کو بھی ان کے اتباع کا شوق دے اور ان کی راہ پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

آمین

وما ذالک علی اللہ بعزیز

جنوبی ہند کی چند عجیب و غریب رسمیں (بقیہ)

کہتے ہیں لے جانا ضروری ہے اس کو مندر میں چھوڑتے ہیں۔ مندر بھی یہاں لے نہیں ہوتے بلکہ چھوٹے خوب ہوتے ہیں اس میں گھر کی طرح گنجائش ہوتی ہے۔

اور سب سے عمدہ بات یہ ہے کہ یہ دارالامن ہے۔ یہاں چوری گھروں میں چوری ہوتی ہے اور نہ ڈاکہ تو لوگ جانتے ہی نہیں۔ یونیورسٹی میں ایک بزرگ مجھ سے کہنے لگے ارے آپ لوگوں کا کیا کہنا آپ کے یہاں ڈاکے پڑتے ہیں یہاں ہم لوگ اس طرح کے جرم سے واقف نہیں کہ دن دہاڑے آدمی کو آدمی لوٹ لے۔ واقعی جرائم یہاں کم ہیں قتل تو بہت ہی کم ہوتے ہیں۔ ہاں صرف خانگی گھروں میں چوری عام ہے۔

ناشتہ، دوپہر کا کھانا اور رات کا کھانا سب سے دیر سے کھانے کا رواج ہے اسٹیل کے برتن خوب ہے غریب آدمی کے یہاں مل جائیں گے۔ چارپائی کا رواج کم ہے حتی کہ جنوب کے بڑے شہروں میں بھی اس کا رواج کم ہے۔

بقیہ مشرق اوسط کی ڈائری

دشانداری کہ جیسے کسی حکومت کا سکریٹریٹ ہو، ہم ایک کمرے سے دوسرے کمرے کی طرف بڑھتے گئے اور ان پر لگی ہوئی تختیوں کو پڑھتے گئے۔ چلتے چلتے ہم ایک ایسی تختی کے پاس سے گزرے جس پر ادارۃ المجلۃ (الازھر) لکھا ہوا تھا۔

استاذ محمد فرید وجدی کی باتیں یہاں میں دیکھیے

مجھے استاذ فرید وجدی کی یاد آ گئے جن سے میں طالب علمی کے زمانے سے واقف تھا۔ میں نے ان کا انسائیکلوپیڈیا آف اسلام اور بہت سے مقالے پڑھے تھے۔ ہم نے ان کو ملاقات کا رقعہ بھیجا، اسی وقت ہم لوگ بلا لئے گئے۔

استاد فرید وجدی ہم سے ملے اور خوش آمدید کہا، جب انھیں یہ معلوم ہوا کہ ہم لوگ ہندوستان کے رہنے والے ہیں، اور ان کی تصنیفات اور مضامین سے واقف ہیں تو وہ ہماری ملاقات سے بہت خوش ہوئے، میں نے ان کو بتایا کہ ان کی پرانی کتاب (المرأۃ المسلمۃ) کا (جس کو انھوں نے قاسم امین کی کتاب (المرأۃ المصریۃ) کی تردید میں لکھا تھا) ہندوستان میں بہت عرصہ پہلے اردو میں ترجمہ ہو چکا ہے، ترجمہ ہندوستان کے مشہور عالم مولانا ابو الکلام آزاد نے اپنی جوانی کے زمانہ میں کیا تھا۔ ترجمہ بہت اچھا اور ادبی شاہکار سمجھا جاتا ہے میں نے ان سے کہا کہ ہم آپ کی دینی اور جدید علوم کی جامع شخصیت سے واقف ہیں، فلسفہ یورپ اور علم جدیدہ کے مقابلہ میں اسلام کے دفاع کی خدمات سے باخبر ہیں، انھوں نے کہا موجودہ زمانہ میں اسلام کی خدمت اور اس کے فضائل و محاسن کو پیش کرنے کا یہی بہتر طریقہ ہے۔

(باقی)

کوائف دار العلوم

محمد عبدالسمیع ندوی

یہ خبر رنج و افسوس کے ساتھ سنی جائے گی کہ مولانا علی بخش صاحب بلیاوی استاذ ادب دار العلوم ندوۃ العلماء نے ۹ جمادی الثانی ۱۳۸۵ھ یوم دوشنبہ مطابق ۲۶ جولائی ۱۹۶۵ء کو اپنے وطن رسڑا (ضلع بلیا) میں چند یوم کی شدید علالت کے بعد رحلت فرمائی۔

دار العلوم سے موصوف کا تعلق عرصہ ۳۴ سال سے تھا۔ دار العلوم دیوبند کے فاضل حدیث میں حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے۔ فراغت کے بعد ایک عرصہ تک مختلف مدارس عربیہ میں درس و تدریس کے فرائض انجام دیتے رہے ۱۹۲۹ء میں دار العلوم ندوۃ العلماء سے تعلق ہوا۔ مرحوم خاص علمی آدمی تھے درس و تدریس کے بعد مطالعہ و تحریر میں مشغول رہتے تھے۔ بریلی کے دوران قیام مولانا کا ایک رسالہ جدید تعلیم اور علماء کا جرم عظیم کتبہ الفرقان نے شائع کیا تھا جو اب نایاب ہے۔ دار العلوم کے تعلق کے بعد عربی لغت میں دو کتابیں تالیف فرمائیں مصباح اللغات جس کی اشاعت ندوۃ المصنفین دہلی سے ہوئی اور عربی لغت جس کا پہلا ایڈیشن چند احباب کے تعاون سے شائع ہوا تھا اور دوسرا ایڈیشن دو سال ہوئے شائع ہوا۔ عربی ادب و لغت کے بعض موضوعات پر مولانا کے چند مسودات بھی موجود ہیں جن کی طباعت و اشاعت کی زندگی میں نوبت نہ آسکی۔

اپنی تمام مشغولیتوں کے باوجود مولانا نماز کے اوقات میں سب سے پہلے مسجد میں دیکھے جاتے تھے کم گو کم آمیز آزاد و دوسروں کے کام آنے والے مزاج میں تھوڑی ظرافت بھی تھی۔ مولانا کے انتقال سے دار العلوم کے طلبہ ایک فاضل اور شفیق استاذ سے محروم ہو گئے اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے، درجات بلند فرمائے ان کی صلبی و علمی اولاد کو توفیق صبر دے اللہم اغفرلہ وارحمہ مسجد دار العلوم اور پھر طلبہ کی انجمن الاصلاح میں تعزیتی جلسہ ہوئے جس میں ایصال ثواب کیا گیا۔

دوسرا حادثہ مولوی عبدالرشید صاحب سفیر دار العلوم کو پیش آیا۔ موصوف نے ۳ جمادی الثانی یوم چہارشنبہ مطابق ۳۰ جولائی ۱۹۶۵ء کو طویل علالت کے بعد انتقال کیا۔

۱۹۲۵ء میں دار العلوم کے مکتب میں مدرس مقرر ہوئے ترقی کرتے ہوئے ۱۹۵۰ء میں ہیڈ مدرس ہوئے ۱۹۵۹ء میں جب شعبہ تعمیر و ترقی قائم ہوا تو بحیثیت محصل اس میں منتقل ہوئے اپنے متعلقہ فرائض بحسن و خوبی انجام دیتے رہے ۱۹۶۸ء میں سفیر مقرر ہوئے۔

موصوف ادھر عرصہ سے ذیابیطس کے مرض میں مبتلا تھے لیکن اپنی ہمت و حوصلہ سے کام لے رہے تھے۔ رائے بریلی اور بارہ بنکی کے سفر سے جب ۵ جون کو واپس ہوئے تو پھر ان کو سوئے رو کر دیا گیا تھا ڈاکٹر ان کے علاج کے سلسلہ میں خصوصی توجہ کی گئی۔ ڈاکٹر فریدی صاحب ڈاکٹر خاں صاحب، ڈاکٹر اشتیاق حسین صاحب قریشی کا علاج مختلف اوقات میں ہوتا رہا لیکن حالت گرتی رہی تاآنکہ معالجین و احباب مخلصین مایوس ہو گئے۔ بالآخر ۳ جمادی الثانی کو ان کے انتقال کا حادثہ پیش آگیا۔ اللہم اغفرلہ وارحمہ۔

موصوف کے پسماندگان میں بیوہ ۳ لڑکے ۲ لڑکیاں ہیں۔

دار العلوم میں ششماہی امتحانات تعطیل گرما سے پہلے ہو گئے تھے اور اب طلبہ سالانہ امتحان کی تیاریوں میں رفتہ رفتہ مشغول ہوتے جا رہے ہیں، مذاکرہ و مطالعہ تعلیم و تدریس سب ہی کچھ اپنے شباب پر ہے، اللہ تعالیٰ عزیز طلبہ کی ان محنتوں کو قبول فرمائے اور بہتر ثمرات مرحمت فرمائے۔

منی آرڈر کوپن پر پتہ صاف

اور خوش خط تحریر کریں

بقیہ اسلامی نظام کے تحت معاشی اصلاحات

سے عوام تک پہونچے گا۔ اور دولت زیادہ سے زیادہ وسیع دائروں میں گردش کرے گی۔

بنکاری کے نظام کو سود کے بجائے شرکت اور مضاربت کے اصولوں پر چلانے کی عملی شکل کیا ہو گی؟ اس کی تفصیلات متعدد علمی حلقوں کی طرف سے بار بار شائع ہو چکی ہیں اور بنکاری کے ماہرین نے انھیں قطعی طور پر قابل عمل اور مفید قرار دیا ہے (اس نظام کا خاکہ انشاء اللہ عنقریب الگ شائع کر دیا جائے گا۔

۴:- اشیاء کی گرانی اور سرمایہ کے ارتکاز کا دوسرا بڑا سبب ہمارے معاشرے میں سٹہ کی اندھی تجارت ہے سٹہ کی مفصل خرابیاں بیان کرنے کے لئے ایک مستقل مقالہ چاہیئے، ایک مختصر مثال یہ ہے کہ اس کاروبار کی وجہ سے مال کے ذخیرے ابھی بازار کے قریب بھی نہیں آنے پاتے کہ اس پر سیکڑوں سودے ہو جاتے ہیں ایک تاجر مال کا آرڈر دیکر مال کی روانگی سے پہلے ہی اسے دوسرے کے ہاتھ بیچ دیتا ہے، دوسرا تیسرے کے ہاتھ اور تیسرا چوتھے کے، یہاں تک کہ جس وقت مال بازار میں پہونچتا ہے تو بعض اوقات خرید و فروخت کے سیکڑوں معاملات سے گزر چکا ہوتا ہے اور اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ بازار تک پہونچتے پہونچتے اس کے دام کہیں سے کہیں پہونچ جاتے ہیں۔

بیس روپیہ کی چیز پچاس ساٹھ روپے میں بکتی ہے۔ یہ سارا نفع سٹہ باز اڑاتے ہیں اور عوام کی جیب خالی ہوتی چلی جاتی ہے۔ اسلامی نظام میں اس اندھے کاروبار کی کوئی گنجائش نہیں۔ اسلام میں مال کو قبضے سے پہلے اسے بیچنا ناجائز ہے۔ لہٰذا اسلامی نظام قائم ہوا تو سٹہ کا یہ سارا کاروبار ممنوع ہو جائے گا۔ جس سے اشیاء صرف لازمی طور پر سستی ہوں گی اور منافع کی وہ زائد مقدار جو اس اندھے کاروبار کی وجہ سے چند سرمایہ داروں کے ہاتھ میں کھیلتی ہے اس سے غریب عوام مستفید ہو سکیں گے۔

(باقی آئندہ)

سول ایجنسیاں

اودھ جنرل اسٹورس امین آباد لکھنؤ

ایس۔ایم۔ظہیر اینڈ سنس چمن گنج کانپور

ہمارا ادب — مستقل عنوانات

مولانا سید ابو الخیر صاحب برق لکھنوی

حافظ سید حبیب الرحمٰن حسنی

مولانا سید ابو الخیر صاحب برق لکھنوی پیدائشی ذوق ادب لائے تھے۔ بالکل لڑکپن میں سکندر نامہ قلندر نامہ تصنیف کی تھیں۔ لڑکپن ہی میں مولانا عبدالحلیم شرر مرحوم کے یہاں جاکر نثر دکھاتے تھے۔ پھر چند مہینہ حکیم صاحب کے شاعری میں شاگرد رہے۔ غالباً حکیم صاحب نواب خاندان کے تھے یا خود نواب تھے پھر شرر صاحب کی ہدایت پر ابو الفضل شمس لکھنوی کے شاگرد ہوئے پھر تو ان کی دبی ہوئی صلاحیت ابھر آئی اور دلگداز میں ان کی یہ غزل چھپی۔

پست ہمت ہو چکی تو پھر کہاں دل میں امنگ
جس سے بیٹھا بھی نہ جائے کیسے وہ اٹھ کر چلے
ضعف سے راہ محبت میں بہت سجدے کیے
گر پڑے ہم سر کے بل جب دو قدم اٹھ کر چلے
کچھ نہ کچھ ساقی رہے دل کے ٹھہرنے کا سبب
آنکھ کی گردش رکے تو بزم میں ساغر چلے

یاد بیتابی پابند وفا آتی ہے
کان میں جب کبھی رونے کی صدا آتی ہو

یاد یاران وطن میں جو تڑپ جاتا ہوں
میرا منہ دیکھ کے رو دیتی ہے فرقت میری

سنا ہے دل کو دل سے راہ ہوتی ہے نگر دیکھا
بھڑک اٹھتی ہے تو شمعوں کی جب پروانہ آتا ہو

ابھی ناواقف وحشت ہوں غربت کا ستایا ہوں
بگولو اٹھ کے بتلا دو ذرا راہیں بیاباں کی

ذرا زور دیکھئے اور صنعت

لکھ کے ابرو کی صفت ہم نے قلم توڑ دیا
معرکے جیت کے تیغ کا دم توڑ دیا

بالکل نوجوانی میں استاد بننے کی خواہش کی تھی۔ استاذ شمس لکھنوی نے کہا سینکڑوں کے مقابلہ میں غزل کہو مطلع ملاحظہ ہو۔

برس رہا ہے عجب حسن روئے قاتل پر
کہ ہے لبوں پہ تبسم نظر ہے بسمل پر
گلوں کو توڑ رہا ہے بہار میں گلچیں
یہ ظلم موت سے کچھ کم نہیں عنادل پر

پھول جو تھا جان بلبل اب وہ کانٹا ہو گیا
اے ہوائے باغ عالم یہ تجھے کیا ہو گیا
ہوش آیا ہے ضعیفی میں جوانی کاٹ کر
ہائے آنکھیں اب کھلی ہیں جب سویرا ہو گیا

مضمون میں جدت ملاحظہ ہو۔

انکار کون کرتا ہے تیرے ظہور کا
رسوائی حکیم ہے افسانہ طور کا

تصویر ملاحظہ ہو۔

پھولوں پہ ہے اداسی یا بیکسی قفس میں
جب اٹھتی ہیں چمن سے رو دیتی ہیں گھٹائیں

حکمت کے شعر

شمع سر محفل نے تعلیم دی مجھکو
سمجھا ہے کسے دنیا خاموش سا کرنا
پھولوں کو تبسم ہے شبنم کو نصیب آنسو
تقدیر کی حکمت ہے بیکار گلا کرنا

شعر حقیقت بن گیا

جاتا ہوں میں دنیا سے پاؤ گے کہاں مجھکو
بیٹھے ہوئے محفل میں افسانہ سنا کرنا
افسانۂ شام غم پر درد وہیں برقؔ اتنے
سن سن کے بھر آتا ہے دل اب نہ کہا کرنا
کھویا مجھے پھر آپ ہی پوچھا یہ کیا ہوا
دیکھو تو برقؔ ساتھ ابھی تھے کدھر گئے

درد

برقؔ بیٹھے بیٹھے تمھیں آگیا کس کا خیال
روتے کیوں ہو ماجرا کیا ہے تمھیں کیا ہو گیا

بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے اور لوگ پوچھتے ہیں

ایک غزل ایک مشاعرہ میں بالکل نوجوانی میں پڑھی یہ غالباً ۱۹۰۲ء کا زمانہ تھا۔ اس کے اس شعر پر بہت داد ملی اور سراج لکھنوی مشاعرہ ختم ہونے کے بعد یہ شعر دہراتے رہے

ذرا سمجھ کے نکل دل سے آہ سوزآگیں
بجھے پڑے ہوئے زخموں کا اعتبار نہیں

ثاقب صاحب کے کچھ مہینوں یا سالوں شاگردی کی مگر وہ صرف یہ کہتے رہے کہ اور بلند کہو تو ان کے اشعار بہت دقیق ہو گئے ایک شعر یہ ہے۔

انجام نصیحہ معنی روشن از صبح منیر
خواب اسیر فکر کی ہے دل ہی تعبیر ہے

گرچہ انہوں نے یہ رنگ ترک کر دیا۔ فطری ذوق چمکنے لگا اور رنگ شمس سے ملتا رہا۔

ایک صاحب نے برق صاحب سے فرمائش کی کہ ایک شعر ایسا کہیے کہ جو چاندی کے گلاس میں کندہ کر سکیں جو بیٹی ماسٹر کو رخصتی کے وقت پیش کیا جائیگا فرماتے ہیں۔

ظرف عالی آپ کہیے کہ اس کو دیکھ کر
ایسی ٹھنڈی چاندنی چاندی کا ساغر بن گئی

۱۹۰۲ء میں ایک زبردست مشاعرہ ہوا جوانی بھی تھی برق صاحب جوان تھے اور تو بوڑھے بوڑھے شعراء تشریف لائے مصرع یہ تھا کہ

پھولوں نے ہنس کے آگ لگا دی بہار میں

نے برق صاحب کی توجہ اس طرف مبذول کرائی۔ وہ لکھنؤ سے آئے ہوئے تھے۔ سارے مشہور تھے کی کاوش سے غزل تیار کر لی اور فرمایا کہ صدا گر لکھنؤ کی ہے تو مشاعرہ میرے ہاتھ میں ہے اور ایسا ہی ہوا وہ معرکۃ الآراء غزل یہ ہے۔

ناوک جو رہ گیا ہے دل بیقرار میں
پہلو بنائے جاتے ہیں دو دو مزار میں
ہے دشمن بہار صدائے شکست گل
گلچیں کو وہ پکارتے ہیں بہار میں

نواب جعفر علی خاں صاحب اثر لکھنوی جو صدر مشاعرہ تھے۔ پہلا مصرعہ سنتے ہی چونک پڑے فرمایا کیا پیارا مصرعہ ہے

پھر شعر پڑھا

او جانے والے صبر کہاں تک دیکھ لیں
گزری ہے ساری عمر ترے انتظار میں

کلب عباس صاحب نے فرمایا کہ برق صاحب انتظار کا قافیہ بند کر دیا۔

پھر فرماتے ہیں

ظاہر پرست عالم فانی ہے دیکھ لے
شمعیں مزار پر ہیں اندھیرا مزار میں
دل کی کدورتوں سے یہ عالم تباہ ہے
منزل ہمیں نظر نہیں آتی غبار میں
یہ کیا ہے اک کتاب دو عالم کا اختصار
مضمون دہر ہے نگہ انتظار میں

اب تو تعریف کی حد نہ رہی مشاعرہ بے حال ہو رہا تھا بس تعریف ہی تعریف ہو رہی تھی لوگوں نے کہا

(باقی صفحہ پر)